شجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء توتی اکلھا کل حین باذن ربھا
سبحان الذی اخزی الاعادی
بہار آئی ہے اس وقتِ خزاں میں
لگے ہیں پھول میرے بوستاں میں
یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیدہ ہے
یہی ہیں پنجتن جن پر بنا ہے
مرزا انس احمد صاحب
مرزا منور احمد صاحب
مرزا مجیب احمد صاحب
مرزا حفیظ احمد صاحب
سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ
مرزا انور احمد صاحب
مرزا نعیم احمد صاحب
مرزا طاہر احمد صاحب
مرزا منظر احمد صاحب
مرزا مبشر احمد صاحب
مرزا ادریس احمد صاحب
مرزا داؤد احمد صاحب
محمود احمد صاحب
مرحوم اولاد
فضل احمد
بشیر اول
مبارک احمد
عصمت
شوکت
امۃ النصیر
حضرت مرزا سلطان احمد صاحب
حضرت مرزا عزیز احمد صاحب
حضرت مرزا رشید احمد صاحب
سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

مخدومی محترمی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب (سلمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کی روایات کو میں بہت بڑی اہمیت اور امتیازی درجہ دیتا ہوں۔ گو بعض بہت ہی کم روایات میں ذہول سا پایا جاتا ہے۔ تاہم روایات کے سلسلہ میں ان کی روایت میرے علم وعقیدہ میں خاص شان رکھتی ہے اور ان کی صحت میں قطعاً شبہ نہیں۔ حضرت میر صاحب کی ایک روایت نمبر ۴۹۶ سیرۃ المہدی کے تیسرے حصہ میں شائع ہوئی ہے۔ اس روایت کے مضمون کا ایک دوسرے واقعہ سے خلط ہو گیا ہے۔ مگر روایت فی نفسہٖ صحیح اور درست ہے۔ میں اس روایت کو اولاً درج کرتا ہوں اور پھر اس اختلاط کا ذکر کروں گا۔ ازاں بعد اس روایت کی تائید اور اصل حقیقت کے اظہار کے لئے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نادر اور اچھوتا مضمون بطور نمونہ شائع کرتا ہوں۔ یہ اصل مضمون کی تمہید کا ابتدائی حصہ ہے۔ میرا مقصد حضرت میر صاحب کی روایت کی تصحیح اور توثیق ہے۔

نفس مضمون تو طویل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب چاہے گا وہ چھپ جائے گا۔ میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جن ملفوظات یا مخطوطات کو محفوظ رکھنا ہے وہ اپنے اپنے وقت پر اشاعت پا جائیں گے۔ میں نے ہمیشہ ایسی نادر و نایاب تحریروں کی حفاظت میں بفضلہ تعالیٰ قدم اٹھانے کا قابل ناز موقع پایا ہے والحمد للہ علیٰ ذالک

اب تک جو مضامین اشاعت نہیں پا سکے اس کی وجہ میری بے بسی اور بے زری ہے اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جماعت ابھی ان چیزوں کی قیمت سے ناواقف ہے۔ اسلئے کہ حضور کا زمانہ قریب ہی میں گزرا ہے۔ اور جماعت ان وجودوں کو دیکھتی ہے۔ جو اس ماہ رسالت کے دیکھنے والے تھے۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ اس قسم کے

گرانمایہ جواہر

کے قدر دان دور دور سے آئیں گے۔ اور وہ لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی ان کو حاصل کرنا چاہیں گے۔ اسی موقع پر میں اپنے جانشین ایڈیٹر الحکم عزیز محمود احمد عرفانی اور اس کے بھائیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان تبرکات کو دنیا کی کسی قیمت پر اپنے سے جدا نہ کریں اور مرنے سے پہلے ہر شخص اپنے جانشینوں کو اس کی وصیت کرے دنیا کی کوئی چیز نہیں۔ ساری دنیا کے خزائن اور زرو جواہر بھی اس کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ یہ اس ہاتھ کی تحریریں ہیں۔ جس کو خدا نے اپنا ہاتھ کہا۔ یہ اس کے تبرکات ہیں جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی تفرید و توحید کی منزل پر رکھا۔ یہ تبرکات ان کے پاس ہوں تو سب کچھ ان کے پاس ہے میری اس وصیت پر پابند رہیں۔ نہ دنیا کی کوئی قوت اور دنیا کی کوئی دولت انھیں اس کے علیحدہ کرنے پر مجبور نہ کر سکے۔

اے الہ العالمین! تو ایسا ہی کر۔ یہ میری نسل میں دنیا کے آخر تک رہیں۔ تو آپ ان کی حفاظت کے سامان کر دے جیسے محض اپنے فضل سے مجھ کو اس دولت سے مالا مال کیا آمین۔ ایک قلبی کیفیت کی وجہ سے جس نے ایک رقت وخضوع اسی میں پیدا کر دیا ہے۔ یہ ذکر تو ضمناً آگیا۔ اب میں اصل روایت کو لکھ کر ضروری تنقید کے بعد اصل مضمون کو پیش کرتا ہوں۔

روایت نمبر ۴۹۶ صفحہ ۱۵۴ سیرۃ المہدی حصہ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ سب دوست اس موضوع پر ایک مضمون لکھیں کہ مذہب کیا ہے۔ اور کامل مذہب کیسا ہونا چاہیے۔ کچھ دنوں کے بعد بہت سے مضامین آگئے۔ اور بہت سے مقامی اور بعض بیرونی دوست خود سنانے کے لئے تیار ہو گئے اس پر آپ نے کبھی مسجد میں اور کبھی سیر میں ان مضامین کو سننا شروع کر دیا۔ حضرت خلیفہ اول رضہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب۔ میاں معراج الدین صاحب عمر خواجہ کمال الدین صاحب کے مضمون اور بہت سے دیگر احباب کے مضامین سنائے گئے۔ کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں حضرت صاحب نے اپنا مضمون بھی سنایا۔ مگر اپنا مضمون غالباً سیر میں سنایا کرتے تھے اس میں پہلا نکتہ یہ تھا کہ آپ نے لکھا کہ ہر مضمون لگار نے مذہب کے معنے "راستہ" کے کئے ہیں۔ مگر مذہب کے معنی "روش" کے ہیں۔ پس مذہب وہ روش ہے جس کے مطابق انسان چلتا ہے۔ یعنی مذہب ایک راستہ نہیں جس پر انسان چلے۔ بلکہ وہ روش اور طریق رفتار ہے۔ جسے انسان اختیار کرے "

روایت اسی قدر ہے۔ مخدومی حضرت صاحبزادہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نادر مضمون

حضرت عرفانی کبیر کی قلم سے

مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ الاحد (جو اس سلسلہ روایات کے جامع ہیں) نے اس پر اس قدر نوٹ دیا ہے:۔

" خاکسار عرض کرتا ہے کہ عربی لغت کی رو سے مذہب کے معنے راستہ اور روش ہر دو کے ہیں۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ موخر الذکر معنوں میں جو لطافت اور وسعت ہے وہ مقدم الذکر میں نہیں "

خاکسار عرفانی عرض پرداز ہے کہ حضرت صاحبزادہ قبلہ سے اس روایت پر بسیط نوٹ کی توقع تھی۔ لیکن چونکہ آپ نے اس سلسلہ روایات میں تنقید کا تفصیلی پہلو مدنظر نہیں رکھا۔ بلکہ مقدم یہ سمجھا ہے کہ روایات جمع ہو جاویں۔ اسلئے ضرورتاً آپ بہت چھوٹے نوٹ عند الضرورت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمادے۔

میں نے جب اس روایت کو پڑھا تو میرے سامنے واقعات کا ایک سلسلہ آگیا۔ نفس روایت کے متعلق مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ میری تحقیقات میں دو مختلف واقعات جمع ہو گئے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر احباب کو ایک موضوع پر مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر وہ موضوع مصلح اور مجدد کی ضرورت کا مضمون تھا۔ " مذہب کیا ہے؟ " اس کے متعلق جہاں تک میرا علم ہے ایسی دعوت نہیں دی گئی۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت میر صاحب کا علم صحیح ہو۔ اور وہ کسی دوسرے وقت کی بات ہو۔ لیکن اس میں جو بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت اپنا مضمون غالباً سیر میں سنایا کرتے تھے۔ یہ حضرت کے عمل کے خلاف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا کوئی مضمون جب بھی سناتے تو وہ مسجد میں سنایا کرتے تھے۔ عام معمول یہی تھا۔ ممکن ہے اس خاص مضمون کے لئے ایسا ہوا ہو۔ علاوہ ازیں ان مضامین کا کوئی حصہ کہیں موجود ہونا چاہیئے۔

میری تحقیقات یہ ہے۔ جس کا ثبوت میں پیش کرتا ہوں کہ جن ایام میں سراج الدین عیسائی قادیان دارالامان میں آیا ہوا تھا۔ اسوقت پادری مارلین کے ساتھ ایک خط وکتابت سراج الدین صاحب کی ہو رہی تھی اور اس میں مذہب کیا ہے؟ اور مذہب کامل کی کیا علامات ہیں؟ زیر بحث تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کی خط وکتابت پر ایک محاکمہ بھی لکھا تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ محاکمہ بھی خاکسار کی سعادت کی دولت ہے۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ایک مضمون " مذہب کیا ہے " اور " مذہب کامل کی علامات کیا ہیں؟ " پر لکھا پادری مورلین کے خطوط کا ترجمہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ یہ مضامین حضرت کے حضور پڑھے جاتے تھے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اس نوٹ کے پڑھنے سے حضرت میر صاحب مخدومی کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ اگر ان کے حافظہ اور علم میں ان واقعات کے ساتھ توارد ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ ورنہ میں قیاس کروں گا کہ حضرت میر صاحب کی روایت کسی اور واقعہ سے تعلق رکھتی ہے جس کا مجھے علم نہیں۔ میرے علم وحافظہ کا موئدہ وہ مضمون ہے جو حضرت نے اس تقریب پر لکھا تھا میں اس کا صرف ابتدائی تمہیدی نوٹ دیتا ہوں اور حضرت اقدسؑ کی تحریر کا عکس چھاپ دیتا ہوں۔ اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس مضمون میں کیا قیمتی خزانے حقائق ومعارف کے ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ کس اہل دل کو اس کی طباعت کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے۔

میں پہلے اس کو صاف خط میں دیتا ہوں۔ اور پھر بعد میں

(خادم: عرفانی کبیر از الہ آباد ۲۹ نومبر ۱۹۳۹ء)

مذہب

جاننا چاہیئے کہ جس مفہوم کو ایک پہلو کے اعتبار سے مذہب کہتے ہیں۔ اسی مفہوم کو دوسرے پہلو کے لحاظ سے شریعت بھی کہتے ہیں۔ اور تیسرے پہلو کے لحاظ سے اس کا نام صراط بھی ہے اور چوتھے پہلو کے لحاظ سے اس کو دین بھی بولتے ہیں۔ اور پانچویں پہلو پر نظر رکھ کر وہ ملت کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور چھٹے پہلو کے لحاظ سے اس کا نام مشرب بھی ہے اور ساتویں پہلو کے لحاظ سے وہ نحلہ کے نام سے نامزد ہے۔

سو در حقیقت ایک مذہب اپنی خوبیوں کی کی وجہ سے تب ہی کامل کہلائے گا۔ جبکہ وہ ساتوں ناموں کے لحاظ سے اپنے اندر سات قسم کی خوبیاں رکھتا ہو۔ کیونکہ جبکہ اس کو واضع حقیقی کی طرف سے سات لقب ملتے ہیں۔ اور وہ لقب ابتدائے دنیا سے چلے آتے ہیں تو یہ پختہ دلیل اس بات پر ہے کہ ایک کامل مذہب کا کمال ان سات لفظوں کے مفہوم کے تحقق پر موقوف ہے اور وہ سات خوبیاں باعتبار سات لقب کے یہ ہیں:۔

(۱) اول خوبی مذہب کے مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ جس کے معنے روش ہیں۔ اور وہ یہ کہ اخلاقی اور عملی معتام معقول روش پر ہو۔ اور افراط وتفریط سے پاک ہو۔ اور اپنی کسی راہ میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ جس طرح جسمانی صحت انسان کی جسمانی مواد پر موقوف ہے۔ اسی طرح روحانی صحت کیلئے روحانی حالات کا اعتدال ضروری ہے پس جو تعلیم اخلاقی اور عملی اعتدال پر قائم کرے گی۔ کچھ شک نہیں کہ وہ روحانی صحت کی موجب ہوگی۔ اور بلاشبہ روحانی صحت ایک کمال مطلوب ہے۔

(۲) دوسری خوبی شریعت کے مفہوم کے لحاظ سے ہے اور شریعت کا

مفہوم یہ ہے کہ شریعت لغت کی رو سے اس راہ کو کہتے ہیں جو نمایاں اور روشن ہو اور مشتبہ نہ ہو۔ اسی طرح کامل تعلیم کی خوبی یہ چاہیئے جس میں کوئی تاریکی نہ ہو۔ اور کوئی بات اس کی زبردستی ماننی نہ پڑے۔ اور عقل سلیم اس کے ہر عقیدہ اور اصول کو شناخت کر سکے۔ تا انسان ضعیف البنیان تکلیف مالایطاق کے لئے مجبور نہ کیا جائے

(۳) تیسری خوبی صراط کے مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ صراط لغت عرب میں ایسی راہ کو کہتے ہیں۔ جو سیدھی ہو۔ یعنی تمام اجزا اس کے وضع استقامت پر واقع ہوں۔ اور ایک دوسرے کی نسبت عین محاذات پر۔ اس طرح کامل تعلیم کی خوبی یہ چاہیئے کہ اس کے بعض اصول بعض دوسرے اصولوں سے نشیب و فراز نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ باہم وہی تناسب پایا جائے جو ایک خط مستقیم کے نقاط میں باہم متحقق ہوتا ہے۔

(۴) چوتھی خوبی دین کے مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ اور دین لغت عرب میں اطاعت اور جزائے اطاعت کو کہتے ہیں۔ سو اسی طرح کامل تعلیم کی خوبی یہ چاہیئے جو اس میں کامل اطاعت کی ہدائتیں موجود ہوں۔ اور نیز کامل جزا کے وعدے بھی ہوں۔

اور یاد رہے کہ دین کا لفظ لغت عرب میں محض اطاعت اور نیک اعمال کی جزا کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ مگر نیک اعمال کے چھوڑنے سے جو کچھ انسان اپنے لئے ایک بد نتیجہ پیدا لیتا ہے۔ بطریق مجاز اس کو بھی دین بولتے ہیں

(۵) پانچویں خوبی ملت کے مفہوم کے لحاظ سے ہے اور ملت لغت عرب میں راہ کو جلد طے کرنے کو کہتے ہیں۔ سو اسی طرح کامل تعلیم کی خوبی یہ چاہیئے۔ کہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ایسے کامل اور جامع وسائل ہوں جن کے التزام سے جلد تر یہ راہ طے ہو سکے۔

(۶) چھٹی خوبی مشرب کے مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ اور مشرب لغت عرب میں اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے پانی پیا جاتا ہے۔ سو اس مفہوم کے لحاظ سے کامل تعلیم کی یہ صفت ہونی چاہیئے کہ ہر ایک انسانی قوت اس سے اپنی پیاس بجھا سکے۔ مثلاً روح جو حقیقی نجات اور سچی خوشحالی کی طالب ہے۔ نہ بناوٹی کی وہ واقعی طور پر گناہ کی لذت سے متنفر ہو کر ایک پاک لذت میں جو شربت شیریں کی طرح مستغرق ہو۔ اور عقل جو ہر عقیدہ اور حکم میں استدلالی طور پر اپنی تسلی چاہتی ہے۔ وہ کامل تسلی کے پانی سے سیراب ہو۔ اور دنیوی زندگی میں یہی شراب طہور ہے۔ جس کی نسبت خدا تعالے فرماتا ہے۔ وسقاھم ربھم شرابا طھورا۔ یعنی خدا سچے مومنوں کو ایک ایسا شربت پلا رہا ہے جو انکو اندرونی گندوں سے پاک کرنیوالا ہے

(۷) ساتویں خوبی نحلہ کے مفہوم کے لحاظ سے ہے۔ اور نحلہ لغت عرب میں باریک اور دقیق کو کہتے ہیں اور نیز شہد کی مکھی کو۔ سو ان معنوں کے لحاظ سے کامل تعلیم کی خوبی یہ ہے کہ دقائق توحید اور دقائق لغوی اور دقائق عبادت اور دقائق اخلاق میں سے کوئی اس سے فوت نہ ہو۔ اور جس طرح شہد کی مکھی خلاصہ ان تمام پھولوں کا کھینچتی ہے جو اس کی نظر کے سامنے ہیں۔ اسی طرح قانون قدرت کے تمام پھولوں کا خلاصہ اس کے اندر ہو۔

اور نحلہ عطیہ بے استحقاق کو بھی کہتے ہیں جو محض فضل کے طور پر ہو۔ اور اس معنی کے رو سے تعلیم کی خوبی یہ ہے کہ اصل عطا یعنی آنکھ اور کان اور عقل اور قیاس اور کشف اور الہام اور جو کچھ انسان کو ترقی کے لئے قوتیں دی گئی ہیں یہ تعلیم ان قوتوں کی خادم ہو۔ اور ان کو بیکار نہ کرے۔ کیونکہ عطیہ زائدہ بطور فضل کے ہے صرف اس حالت میں فضل کہلا سکتا ہے۔ جو اصل نعمت سے انکار نہ ہو۔ اور اصل نعمت بھی قائم اور موجود اور مستعمل رہے ضائع اور برباد نہ ہو جائے۔

نوٹ یہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحریر ہے جس کا چربہ بھی دیدیا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس مضمون کے حقائق و معارف کا مقام کتنا بلند ہے۔ میں ایک مسرت سے لبریز دل اور بصیرۃ و شعور کامل سے کہتا ہوں کہ اگر الحکم کے جوبلی نمبر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گنجینۂ معارف کے اس ہفت گوہر ہی کو صرف شائع کر دیتا تو الحکم کا جوبلی نمبر اپنے امتیاز کے لحاظ سے سربلند رہتا مگر احباب جوبلی نمبر میں اور بھی کچھ پائیں گے۔ جو انھیں سیراب کرے گا۔ میں جبکہ تمہیدی نوٹ میں لکھ چکا ہوں اس مضمون کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میرا یہی ایمان ہے کہ وہ شائع ہو جائے گا۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

مجھے یہ شکوہ کرنے دو کہ لوگوں کی نظریں کاغذ اور سیاہی کے پیسوں پر جھکتی ہیں۔ اور وہ ان چیزوں کے سکوں سے ان گرانمایہ جواہر کی قیمت کا اندازہ کرتے ہیں میرا خطاب ان سے نہیں میں اس ایک دل کی تلاش میں ہوں جو اس کی اشاعت کیلئے وہ کچھ قربان کر دے جو میں کہوں اور مجھ کو نہ کہے کہ

اس قدر خرچ کیوں ہو گیا

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو میں یا میرے جانشین کو خدا تعالیٰ توفیق دے گا۔ کہ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ

ایں براہین سیز رنگا شتے

میں اس ہفت گوہر کو دریں شائع کر کے اپنی قسمت پر ناز کروں۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر۔ میں آسمان کی طرف دیکھتا ہوں کہ جس رحیم کریم مولیٰ نے الحکم کو میرے ذریعہ جنم دیا۔ اور اسے میرے ذریعہ اب تک زندہ رکھا ہے اور جس نے اپنے فضل و کرم سے عزیز مکرم

محمود احمد عرفانی

کو صحیح معنوں میں میرا قائم مقام بنا کر کھڑا کر دیا اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں اور اس پر خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے

اس کے ہاتھ میں بہترین قلم اور اس کے منہ میں بہترین زبان دی ہے۔

اللّٰھم زد فزد آمین

وہی رب کریم و محسن جس نے مجھے ان

خزائن مخفیہ

کو دیا ہے۔ وہ آپ ان کی اشاعت کے سامان کر دے گا۔ لیکن میں

قارئین کرام سے کہتا ہوں

کہ

وہ اپنے فرائض کو سوچیں

عرفانی کبیر

از

الہ آباد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نایاب قلمی تحریر کا عکس

ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قلمی تحریر کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ ساری تحریر کا عکس دیدیا جائے۔ مگر اس میں وہ شان پیدا نہیں ہوتی جو اصل تحریر میں ہوتی ہے۔ اسلئے بطور نمونہ چند سطریں دے رہا ہوں۔ اور ساتھ ہی ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ جو قابل توجہ احباب ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر ایک سو دوست ایک ایک روپیہ پیشگی مجھے دیدیں۔ تو میں ایک سو روپیہ کی لاگت سے اس مضمون کے فوٹو بلاک بنوا کر ہر ایک معطی کو ایک ایک کاپی ارسال کر دوں گا۔ اور اس طرح یہ قیمتی خزانہ نہ صرف محفوظ ہو جائے گا۔ بلکہ گھر گھر پہنچ جائے گا۔ امید ہے احباب میری اس تجویز سے اتفاق فرمائیں گے۔

(محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم)

مذہب

جاننا چاہیئے کہ جس مفہوم کو ایک پہلو کی اعتبار سے مذہب کہتے ہیں اُسی مفہوم کو دوسرے پہلو کے لحاظ سے شریعت بھی کہتے ہیں اور تیسری پہلو کے لحاظ سے اُس کا نام صراط بھی ہے اور چوتھی پہلو کے لحاظ سے اسکو دین بھی بولتے ہیں اور پانچویں پہلو پر نظر رکھ کر وہ ملت کے نام سے موسوم ہوتا ہے ۔۔۔ اور چھٹی پہلو کی رو سے اُس کا نام مشرب بھی ہے اور ساتویں پہلو کی وجہ سے وہ نحلہ کے نام سے یاد ... سو درحقیقت ایک مذہب اپنی خوبیوں کی وجہ سے تبھی کامل کہلائے گا جبکہ وہ ان ساتوں ناموں کے لحاظ سے اپنی اندر ساتوں قسم کے خوبیاں رکھتا ہو کیونکہ جبکہ اُنکو واضع حقیقی کی طرف سے سات لقب ملی ہیں اور وہ لقب ابتدا دنیا سے چلی آئی ہیں تو یہ پختہ دلیل اس بات پر ہے کہ ایک کامل مذہب کا کمال ان سات لقبوں کے مفہوم کے ... اور وہ سات خوبیاں باعتبار لقب کے یہ ہیں

مجھے معلوم ہوا ہے کہ خلافت جوبلی کے موقعہ پر ادارۂ الحکم بھی الفضل کی طرح ایک خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب الحکم نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں بھی اس خاص نمبر کے لئے ایک مضمون لکھوں۔ اور ایڈیٹر صاحب کے علاوہ اس اخبار کے بانی ہمارے مکرم شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے بھی مجھے ایک خط کے ذریعہ تحریک فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ میں اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ کی تصنیف کی مصروفیت کی وجہ سے اسوقت کوئی علیحدہ مضمون نہیں لکھ سکتا۔ مگر ان اصحاب کی خواہش کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلسلہ احمدیہ کے مسودہ سے ایک چھوٹا سا حصہ ان کی خدمت میں نقل کر کے بھجوا رہا ہوں۔ تاکہ مجھے اس مبارک تقریب میں شرکت کا ثواب حاصل ہو جاوے۔ فقط

خاکسار۔ مرزا بشیر احمد ۱۲/۹ ۱۶

جہاں تک اُن اخلاق کا سوال ہے جو دین اور ایمان سے تعلق رکھتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو خلق خاص طور پر نمایاں نظر آتے تھے:۔

اول:۔ اپنے خدا داد مشن پر کامل یقین

دوسرے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے نظیر عشق و محبت۔

یہ دو اوصاف آپکے اندر اس کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ کہ آپکے ہر قول و فعل اور حرکت و سکون میں ایک پر نور جلوہ نظر آتا تھا۔ بسا اوقات اپنے خدا داد مشن اور الہامات کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ مجھے ان کے متعلق ایسا ہی یقین ہے۔ جیسا کہ دنیا کی کسی چیز کے متعلق زیادہ سے زیادہ علم ہو سکتا ہے۔ اور بعض اوقات ان پیشگوئیوں کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ چونکہ وہ خدا کے منہ سے نکلی ہوئی ہیں اسلئے وہ ضرور پوری ہو کر رہینگی۔ اگر وہ پوری نہ ہوں تو مجھے مفتری قرار دیکر برسرِ عام پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے۔ تاکہ میرا وجود دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔ اپنے الہام کے قطعی ہونے کے متعلق اپنی ایک فارسی نظم میں فرماتے ہیں:۔

آں یقینے کہ بود عیسیٰ را
بر کلامے کہ شد برو القا
واں یقینِ کلیم بر تورات
واں یقینِ ہائے سید السادات
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین
ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

"یعنی جو یقین کہ حضرت عیسیٰ کو اس کلام کے متعلق تھا جو اُن پر نازل ہوا۔ اور جو یقین کہ حضرت موسیٰ کو تورات کے متعلق تھا۔ اور جو یقین کہ نبیوں کے سردار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر نازل ہونیوالے کلام کے متعلق تھا۔ میں یقین کی رو سے انمیں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ اور جو شخص جھوٹا دعویٰ کرتا ہے وہ لعنتی ہے۔"

ایک اور جگہ اپنے منثور کلام میں فرماتے ہیں:۔

"یہ مکالمہ الٰہیہ جو مجھ سے ہوتا ہے یقینی ہے۔ اگر میں ایک دم کے لئے بھی اس میں شک کروں تو کافر ہو جاؤں۔ اور میری آخرت تباہ ہو جاوے۔ وہ کلام جو میرے اوپر نازل ہوا یقینی اور قطعی ہے۔ اور جیسا کہ آفتاب اس کی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور یہ اس کی روشنی ہے۔ ایسا ہی میں اس کلام میں بھی شک نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے۔ اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی کتاب پر۔"
(تجلیات الٰہیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت و عشق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمد است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جمالِ محمد است

"یعنی میرے جان و دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خدا داد پر قربان ہیں۔ اور میں آپکے آل و عیال کے کوچہ کی خاک پر نثار ہوں۔ میں نے اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا اور ہوش کے کانوں سے سنا ہے کہ ہر کون و مکان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے جمال کی ندا آ رہی ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم
جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفےٰ
ایں است کامِ دل اگر آید میسرم

"یعنی خدا سے اتر کر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی شراب میں متوالا ہو رہا ہوں۔ اور اگر یہ بات کفر میں داخل ہے۔ تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔ میرے دل کا واحد مقصد یہ ہے کہ میری جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے رستے میں قربان ہو جائے۔ خدا کرے مجھے یہ مقصد حاصل ہو جائے۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اسکا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اسکا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی محبت: محض کاغذی یا نمائشی محبت نہ تھی بلکہ آپ کے ہر قول و فعل اور حرکت و سکون میں اس کی ایک زندہ اور زبردست جھلک نظر آتی تھی۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام کے حالات میں جس واقعہ کا ذکر اس رسالہ میں اوپر گذر چکا ہے۔ وہ اس محبت کی ایک عام اور دلچسپ مثال ہے کہ باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعودؑ نہایت درجہ وسیع القلب اور ملنسار تھے اور ہر دوست و دشمن کو انتہائی خوش اخلاقی کے ساتھ ملتے تھے۔ جب پنڈت لیکھرام نے آپ کے آقا اور محبوب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق سخت بدزبانی سے کام لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تو آپ نے پنڈت صاحب کا سلام تک قبول نہ کیا اور دوسری طرف منہ پھیر کر خاموش ہو گئے۔ اور جب کسی ساتھی نے دوبارہ توجہ دلائی تو غیرت اور غصہ کے الفاظ میں فرمایا کہ "ہمارے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کرتا ہے!"

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ مگر اس سے عشق و محبت کے اس اتھاہ سمندر پر بے انتہا روشنی پڑتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کے دل میں موجزن تھا۔

اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق یہ روایت بھی چھپ کر شائع ہو چکی ہے کہ ایک دفعہ آپ علیحدگی میں ٹہلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری شاعر حسان بن ثابت کا یہ شعر تلاوت فرما رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے جا رہے تھے کہ:۔

كنت السواد لناظري فعمي عليك الناظر
من شاء بعدك فليمت فعليك كنت احاذر

"یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ پس تیری وفات سے میری آنکھ اندھی ہو گئی ہے۔ سو اب تیرے بعد جس شخص پر چاہے موت آ جاوے مجھے اس کی پروا نہیں۔ کیونکہ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا۔ جو واقع ہو گئی۔"

راوی بیان کرتا ہے کہ جب آپ کے مخلص رفیق نے آپ کو اس رقت کی حالت میں دیکھا تو گھبرا کر پوچھا کہ "حضرت! یہ کیا معاملہ ہے؟" آپ نے فرمایا۔ "کچھ نہیں۔ میں اسوقت یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ کاش یہ شعر میری زبان سے نکلتا۔"
(سیرت المہدی)

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ دوسرے بزرگوں کی محبت سے خالی تھے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے آپ کے دل میں دوسر پاک نفس بزرگوں کی محبت کو بھی ایک خاص جلا دیدی تھی۔ اور آپ کسی بزرگ کی ہتک گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اپنے اصحاب کی ایک مجلس میں یہ ذکر فرما رہے تھے۔ کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت ضروری ہے اور امام کے پیچھے بھی پڑھنی چاہیئے۔ اس پر حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ حضور! سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی"؟ آپ نے فوراً فرمایا "نہیں نہیں۔ ہم ایسا نہیں کہتے۔ کیونکہ حنفی فرقہ کے کثیر التعداد بزرگ یہ عقیدہ رکھتے رہے ہیں۔ کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت ضروری نہیں۔ اور ہم ہرگز یہ خیال نہیں کرتے کہ ان بزرگوں کی نماز نہیں ہوتی۔"

اسی طرح آپ کو غیر مسلم قوموں کے بزرگوں کی عزت کا بھی بہت خیال تھا۔ اور ہر قوم کے تسلیم شدہ مذہبی بزرگوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بلکہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کسی شخص کے نام کو عزت کے ساتھ دنیا میں قائم کر دیتا ہے تو لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں اس کی بزرگی کا خیال بٹھا دیتا ہے۔ اور اس کے سلسلہ کو استقلال اور دوام حاصل ہو جاتا ہے تو ایسا شخص جسے اسقدر قبولیت حاصل ہو جاوے جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور ہر انسان کا فرض ہے کہ سچوں کی طرح اس کی عزت کرے اور کسی رنگ میں اس کی ہتک کا مرتکب نہ ہو۔ اس معاملہ میں خود اپنے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم
ہمچو خاک افتادہ بر درے
ہر رسولے کو طریقِ حق نمود
جانِ ما قرباں براں حق پرورے

"یعنی میں ان تمام رسولوں کا خادم ہوں جو خدا کی طرف سے آتے رہے ہیں۔ اور میرا نفس ان پاک روحوں کے دروازے پر خاک کی طرح پڑا ہے۔ ہر رسول جو خدا کا رستہ دکھانے کے لئے آیا ہے (خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی ملک میں آیا ہو) میری جان اس خادم دین پر قربان ہے۔"

روایت

میں نے نبی اللہ المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بارہا سنا۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ بعض الہامات تو ایک ایک رات میں سو سو مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار ہوتے ہیں۔ اور ان کا تکرار ایسا ہی کہ بستر پر سر رکھنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ صبح تک برابر جاری رہتا ہے۔ اس قسم کے بکثرت ہونے والے الہامات میں سے ایک الہام جس کا حضور اکثر ذکر فرمایا کرتے

انی معک و مع اہلک

ہے

(عبد الرحمٰن قادیانی)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا اسوۂ حسنہ

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں

ہمارے واجب العزت حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب کی قلم سے

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہٖ کے زمانہ خلافت کے حالات تو آجکل سلسلہ کے رسالجات اور اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ چند سطور حضور کے اس اسوۂ حسنہ کے متعلق لکھوں جو خلافت اولیٰ کے زمانہ میں حضور نے جماعت کے سامنے پیش فرمایا۔ اور نیز یہ بھی ظاہر کردوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ حضور کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔

خلافت اولیٰ کے زمانہ میں میں نے دیکھا کہ جو ادب اور احترام۔ اور جو اطاعت اور فرمانبرداری آپ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی کرتے تھے۔ اس کا نمونہ کسی اور شخص میں نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی خدمت میں جاتے۔ تو آپ دو زانو ہو کر بیٹھ جاتے اور جتنا وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اسیطرح دو زانو ہی بیٹھے رہتے۔ میں نے یہ بات کسی اور صاحب میں نہیں دیکھی۔ اسیطرح آپ ہر امر میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے۔ کسی امر کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کا ارشاد ہوتا تو آپ اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے اپنی تقریر میں جو آپ نے ۱۹۱۲ء میں احمدیہ بلڈنگس لاہور میں فرمائی۔ فرمایا:-

"میاں محمود بالغ ہے۔ اس سے پوچھ لو وہ سچا فرمانبردار ہے۔ ہاں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ سچا فرمانبردار نہیں۔ مگر نہیں میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرا سچا فرمانبردار ہے۔ اور ایسا فرمانبردار کہ تم میں سے ایک بھی نہیں۔"

خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں آپ نے جو ٹریکٹ اور رسالے مسئلہ خلافت یا مسئلہ نبوت اور کفر و اسلام کے بارے میں لکھے۔ آپ ان کو شائع کرنے سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں پیش کرتے اور حضور کی منظوری اور اجازت کے بعد شائع کرتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کبھی کبھی ان مضامین میں اپنے قلم سے کچھ اضافہ بھی فرماتے اور بعض اوقات ان کے اضافہ کئے ہوئے الفاظ اصل مضمون کی نسبت زیادہ سخت ہوتے۔ ایک موقعہ پر مولوی محمد علی صاحب نے ایک ایسے شائع کئے ہوئے ٹریکٹ کے بعض الفاظ کے متعلق مجھ سے شکایت کی کہا کہ دیکھو یہ الفاظ میاں صاحب نے ہمارے متعلق کیسے سخت لکھے ہیں۔ اسوقت میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ یہ الفاظ تو مولوی صاحب کے بڑھائے ہوئے ہیں۔ حضرت میاں صاحب نے نہیں لکھے ــــ اور ساتھ ہی میں نے اپنی غلطی کو محسوس کیا اور پچھتایا کہ مجھے اس بات کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ مولوی صاحب نے میرے پچھتانے پر اور میری اس درخواست پر کہ وہ اس امر کا اظہار اپنے دوستوں میں سے کسی کے پاس نہ کریں فرمایا:-

"تیر از کمان رفتہ باز نیاید"

اور یہ بھی شکایت کی کہ "حضرت مولوی صاحب نے چند روز ہوئے ہمارے لاہور کے ایک دوست کو خط لکھا ہے۔ اور اس میں السلام علیکم نہیں لکھا۔ آخر وہ لوگ بھی احساس رکھتے ہیں اور ایسی باتوں سے ان کو رنج پہنچتا ہے۔" وہ ٹریکٹ جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اسوقت میرے سامنے نہیں۔ مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ اس ٹریکٹ میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے بڑھائے ہوئے الفاظ یہ تھے کہ "اپنے نفاق کا بھانڈا پھوڑ دیا" یا اسی قسم کے اور الفاظ تھے۔

مجھے اس موقع پر ایک اور واقعہ یاد آیا ہے، جو میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی وفات کے بعد مجھے کچھ دن آپ کے صاحبزادے مولوی عبدالحی مرحوم کو انگریزی پڑھانے کا فخر حاصل ہوا اُن ایام میں اُنھوں نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے ابا جان سے پوچھا کہ جب آپ مولوی محمد علی صاحب کو قرآن شریف پڑھاتے ہیں تو اکثر دفعہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ ہے لیکن جب میں آپ سے قرآن شریف پڑھتا ہوں تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ آپ نے جواب دیا "میں ان لوگوں سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ میری بات ان پر اثر کرے۔ میرے بعد جو خلیفہ ہوگا۔ اگر ان لوگوں نے اس کی بیعت کرلی تو سمجھنا کہ یہ لوگ میری محبت کے مستحق تھے۔ لیکن اگر انھوں نے اس کی بیعت نہ کی تو سمجھنا کہ ان جیسا کوئی .... نہیں"

(یہاں آپ نے ایک نہایت سخت لفظ استعمال کیا جو ایمانی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے)

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے ان الفاظ کی میں زیادہ تشریح نہیں کرتا۔ احباب اس سے خود نتیجہ نکال لیں کہ آپ کے نزدیک کون شخص آپ کا جانشین بننے کے لائق تھا۔ اور کس کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ وہ آپ کے بعد خلیفہ ہوگا۔

ان الفاظ میں آپ نے درحصل اپنے بیٹے کو تلقین کی۔ تا وہ اس موقعہ پر صحیح راستہ اختیار کرے۔ چنانچہ اُس سعید فرزند نے اس اشارے کو خوب سمجھا۔ اور اس پر عمل کیا

ہم اور ہمارے آثار قدیمہ

(جناب مولانا "سالم" صاحب کی قلم سے)

بے شک مشہور ضرب المثل ہے "ہر کہ آمد عمارتِ نوساخت" مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہی قومیں ہمیشہ زندہ رہتیں اور خلعت دوام پاتی ہیں۔ جو اپنی تاریخی روایات حسنہ و ورحیہ کے تحفظ کا پورا پورا انتظام کرتی ہیں۔ ورنہ اگر صرف "عمارت نوساخت" ہی کے مقولہ پر عمل درآمد ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی تعمیری پروگرام سرے نہ چڑھے۔ آباؤ اجداد بنائیں ہم ڈھائیں پھر ہم بنائیں۔ ہمارے پوتے پڑپوتے سب کچھ پیوند زمین کردیں۔ ایسی ہی قومیں ہیں جن پر کالتی نقضت غزلھا انکاثا کی مثال سو فیصدی چسپاں ہوتی ہے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ اپنے آثار قدیمہ کی پوری پوری نگہداشت اور حفاظت کی جائے۔ ہاں! ساتھ ساتھ آثار جدیدہ کی بنا ڈالتے رہنا زندگی کی علامت ہے۔ الغرض دونوں چیزیں یعنی آثار قدیمہ و آثار جدیدہ پہلو بہ پہلو اور متوازی چلتے ہیں۔ اور کوئی زندہ قوم ان ہر دو آثار میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ کیونکہ آباؤ اجداد کے بنا کردہ آثار قدیمہ کے کھنڈرات پر جدید عمارت تعمیر کرنے والے دشمنانِ سلف اور جدید تعمیری پروگرام سے بے اعتنائی برتنے والے ناخلف کہلاتے ہیں۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ محض خیال آرائی یا افسانہ نویسی نہیں۔ بلکہ کھلی اور واضح اور نمایاں حقیقت ہے۔ وہ قومیں جو اپنے آثار قدیمہ کی تقویم سے بے اعتنائی برتتی رہیں مٹ گئیں اور آج ڈھونڈے سے بھی ان کا نشان نہیں ملتا۔ برعکس وہ قومیں جو دن رات اپنی پرانی یادگاروں کو تازہ رکھنے اور جدید یادگاروں کی بنا ڈالنے میں منہمک نظر آتی ہیں بچہ بچہ انھیں جانتا اور ان کی اقبال مندی و عزت نفس کا اعتراف کرتا ہے۔

ہم احمدی ہیں اور شجر احمدیت کی سرسبز شاخیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ دشمنانِ سلف بننا چاہتے ہیں۔ اور نہ ناخلف کہلانے کے لئے تیار ہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے آثار قدیمہ کی حفاظت کے لئے اب تک کیا کیا ہے؟ خدا کے فضل و کرم سے ہمارے ہاں آثار قدیمہ کی کمی نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس لحاظ سے ہم بہت مالدار اور غنی ہیں۔ مزید برآں ہمارے آثار قدیمہ اس قدر قیمتی اور لاجواب ہیں کہ سارے جہان کی حکومتیں ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ پھر بھی ہمیں اپنی پرانی یادگاروں کے احیاء اور تقویم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ چیزیں کسی نہ کسی صورت میں اب تک محفوظ ہیں لیکن تا بہ کے۔ اگر ہم نے اپنی روش میں تبدیلی نہ کی تو ہمارے آثار قدیمہ کی بقا معلوم

شاید کوئی صاحب کمال سادگی سے کام لے کر کہہ دیں کہ گنوائیے اور بتائیے تو ہمارے آثار قدیمہ ہیں کیا؟

میں کہتا ہوں بے حد و بے عد۔ ایک الحکم ہی کو لے لیں۔ کیا یہ ہمارے آثار قدیمہ کی جان نہیں؟ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے اپنا بازو قرار نہیں دیا؟ کیا اس نے واقعی جری اللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پرشوکت بازو بن کر نہیں دکھایا؟ کیا اس نے تاریخ احمدیت میں نمایاں مقام حاصل نہیں کیا؟ کیا یہ ممکن ہے؟ کہ کوئی تاریخ نویس جو احمدیت کی تاریخ کی تدوین اپنے ذمہ لے الحکم کے ذکر کو نظر انداز کردے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟ کہ الحکم نے سلسلہ احمدیہ کی عظیم الشان تاریخ کو اس طرح اپنے اندر جمع کرلیا ہے کہ اس کے ذکر کے بغیر اس کی تاریخ کا مواد غیر مکمل اور ناقص رہے گا۔

غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ تمام احمدی حضرات اس اخبار سے متعلق ہیں اور اس کی حفاظت و صیانت کے ذمہ دار اور اس اور اس امر کے حقدار کہ جس طرح چاہیں اس کے بقاء و قیام کی صورت پیدا کریں۔ البتہ جو حق انھیں نہیں وہ یہ ہے کہ اسے سسکتا ہوا۔ دم توڑتا ہوا۔ اور جاں بلب دیکھیں۔ مگر اس کے منہ میں پانی تک چوانے کے روادار نہ ہوں۔ الحکم کیا ہے؟ تاریخ احمدیت کا درخشندہ ستارہ! پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے غروب سے قوم بے تاب نہیں ہوجاتی؟ اور کیا باعث ہے کہ اس کی دائمی درخشانی کا اہتمام نہیں کیا جاتا؟

ہم احمدی ہیں یعنی ایک زندہ قوم! اور ہماری زندگی بہت حد تک الحکم کی مرہون منت ہے۔ حیاتِ احمدیت کا کوئی اہم لمحہ الحکم کے ذکر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا پس ہمارا فرض ہے کہ اس کی پائندگی اور دائمی زندگی کے لئے کمربستہ ہوں۔

کیا آپ کے کانوں میں الحکم کی یہ آواز کبھی نہیں پہنچی؟ ع

"مجھ سے میر ذکر بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے"

میں نے تو بارہا سنا ہے۔

"سالم"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کے درمیان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک کا لکھا ہؤا ایک مکتوب گرامی

حضرت خان بہادر
مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم

حضرت امیرالمومنین اور آپ کے دونوں برادران کی صغر سنی کی تصویر

حضرت نواب محمد علی خان صاحب
رئیس اعظم مالیر کوٹلہ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب
مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر کی
حیثیت میں مع مولوی عبدالرحمان
صاحب و مولوی احمد بخش صاحب

مرزا رشید احمد صاحب
جو حضرت مسیح موعود کے
پوتے ہیں

حضرت امیر المومنین کی سیرت و سوانح

اُن کی اپنی زبان و قلم سے

نوشتہ حضرت عرفانی کبیر

تمہیدی نوٹ یوں تو مجھے ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی سوانح اور سیرت بھی لکھوں اور عزیز مکرم شیخ محمود احمد عرفانی نے بھی اپنے پہلے قیام مصر میں اپنے آقا کی سوانح عمری لکھ کر مجھے بھیجدی تھی۔ لیکن ۱۹۳۱ء کے اواخر میں حضرت مولوی شیر علی صاحب نے کسی تحریک پر مجھے حضرت کی سوانح لکھنے کے لئے تحریک کی۔ اس سے میرے پہلے عزم میں اور تقویت ہوگئی۔ اپریل ۱۹۳۲ء میں مجھے اپنے ذاتی کام کے سلسلہ میں سکندر آباد دکن آنا پڑا۔ اور غیر متوقع طور پر میرا یہ قیام لمبا ہو گیا۔ اس وقت اور کوئی شغل زیر نظر نہ تھا۔ میں نے چاہا۔ کہ حیات محمود اور سیرت محمود کو لکھوں۔ مگر افسوس ہے۔ اس کے لئے مجھے جس مسودہ کی ضرورت تھی۔ وہ مجھے یہاں میسر نہ آیا۔ البتہ مطالعہ کتب کے سلسلہ میں میری توجہ ایک خاص امر کی طرف خود بخود مبذول ہوگئی۔ کہ جب تک میں اپنی مجوزہ صورت میں حیات محمود کو مرتب کروں۔ یہ بہتر ہے کہ حضرت کے سوانح حیات آپ ہی کے الفاظ میں جمع کر دوں۔ اور یہ ایک رنگ میں اس مکمل حیات محمود کے لئے بطور دیباچہ اور اساس کے ہو گی۔ دوسرے

> چیزے از خود بگو کہ رنگین تر آید

کا مصداق ہو گی۔ یہ تالیف کبھی بھی میرے زیر نظر نہ تھی۔ لیکن یکایک طبیعت کا اس طرف متوجہ ہو جانا میں یقین کرتا ہوں کہ ایک خدائی تحریک ہے۔

میں نے اس تالیف میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حالات کو آپ ہی کے الفاظ میں دیدیا ہے۔ کسی کسی مقام پر جہاں اپنی طبیعت کو کسی نوٹ کے لکھنے میں بے قابو پایا اپنا نوٹ بھی دیدیا ہے۔ اس سے مقصد صرف مزید صراحت ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا اپنا بیان اپنے سوانح کے اظہار میں ایسا صاف سلیس اور خالی از تکلف و بناوٹ ہے۔ کہ ہر شخص جو اپنے پہلو میں قلب سلیم رکھتا ہے۔ اس کو پڑھ کر یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ یہ شخص سعادت اور نیکی کے اس اعلےٰ مقام پر کھڑا ہے۔ جس کا تصور بھی ہر شخص نہیں کر سکتا۔ اور فی الواقعہ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے اسے اسی طرح ممسوح کیا ہے۔ جیسا کہ اس کی پیدائش سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی تھی میں اپنی خوش بختی پر نازاں ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے سب سے پہلے اس کی توفیق دی۔ کہ میں آپ کی حیات طیبہ کے ان اوراق کی اشاعت کرتا ہوں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

عرفانی

پیدائش و بیعت ۱۸۸۹ء میں میں پیدا ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گو بوجہ احمدیت کی پیدائش کے میں پیدائش سے ہی احمدی تھا۔ مگر

یہ بیعت گویا میرے احساس قلبی کے دریا کے اندر حرکت پیدا کرنیکی علامت تھی

احکام اسلامی کی طرف تحریک ۱۹۰۰ء کا قابل یادگار سال ۱۹۰۰ء میرے قلب کو اسلامی احکام کی طرف توجہ دلانے کا موجب ہوا ہے۔ اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے کوئی شخص چھینٹ کی قسم کے کپڑے کا ایک جُبّہ لایا تھا۔ (یہ جُبّہ جامہ زرد کا تھا۔ عرفانی) میں نے آپ سے وہ جُبّہ لے لیا تھا کسی اور خیال سے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا رنگ اور اس کے نقش مجھے پسند تھے۔ میں اسے پہن نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے دامن میرے پاؤں سے نیچے لٹکتے رہتے تھے۔ جب میں گیارہ سال کا ہؤا اور ۱۹۰۰ء نے دنیا میں قدم رکھا۔ تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہؤا۔

خدا تعالیٰ پر ایمان کیونکر پیدا ہؤا کہ میں خدا تعالےٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں۔ اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے۔ میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا۔ آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا۔ کہ ہاں ایک خدا ہے۔ وہ گھڑی میرے لئے کیسی خوشی کی گھڑی تھی۔ جس طرح ایک بچہ کو اس کی ماں مل جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی۔ کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا۔ سماعی ایمان علمی ایمان سے تبدیل ہو گیا۔ میں اپنے جامہ میں پھولا نہیں سماتا تھا۔

اس حالت کی دعا میں نے اس وقت اللہ تعالےٰ سے دعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا۔ کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔ اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ آج (۱۹۲۴ء عرفانی) میں پینتیس سال کا ہوں۔ مگر آج بھی

> اس دعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں

میں آج بھی یہی کہتا ہوں۔ خدایا تیری ذات کے متعلق مجھے کبھی شک پیدا نہ ہو۔ ہاں اس وقت میں بچہ تھا۔ اب مجھے زاید تجربہ ہے اب میں اس میں اسقدر زیادتی کرتا ہوں کہ

> خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو

نماز کے متعلق گیارہ سالہ زندگی میں عزم جب میرے دل میں خیالات کی وہ موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ تو ایک دن ضحیٰ کے وقت یا اشراق کے وقت میں نے وضو کیا اور وہ جُبّہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے اور متبرک ہے۔ یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالےٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا پہن لیا۔

تب میں نے اس کوٹھڑی کا جس میں میں رہتا تھا دروازہ بند کر لیا اور ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کی اور میں اس میں خوب رویا۔ خوب رویا۔ خوب رویا اور اقرار کیا کہ

> اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا

اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا۔ اس اقرار کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے زمانہ کے ابھی باقی تھے۔ میرا وہ عزم میرے آج کے ارادوں کو شرماتا ہے۔

رونے کا نامعلوم باعث مجھے نہیں معلوم میں کیوں رویا۔ فلسفی کہے گا۔ اعصابی کمزوری کا نتیجہ تھا۔ مذہبی کہے گا۔ تقویٰ کا جذبہ تھا۔ مگر میں جس سے یہ واقعہ گذرا کہتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں کیوں رویا؟ ہاں یہ یاد ہے کہ اس وقت میں اس امر کا اقرار کرتا تھا۔ کہ پھر کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔ اور وہ رونا کیسا بابرکت ہؤا۔ وہ افسردگی کیسی راحت بن گئی۔ جب اس کا خیال کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں۔ کہ وہ آنسو ہسٹریا کے دورہ کا نتیجہ نہ تھے۔ پھر وہ کیا تھے؟ میرا خیال ہے۔ وہ شمس روحانی کی گرم کر دینے والی کرنوں کا گرایا ہوا پسینہ تھے۔ وہ مسیح موعود کے کسی فقرہ یا کسی نظر کا نتیجہ تھے۔ اگر یہ نہیں۔ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر وہ کیا تھے؟

نوٹ از خاکسار عرفانی: حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی زندگی کے تغیرات کی یہ ایک مختصر سی کیفیت بیان کی ہے۔ ان تغیرات پر جب ایک شخص خالی الذہن ہو کر غور کرتا ہے۔ تو اسے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ہستی کی تربیت میں کسی انسان کا ہاتھ کام نہیں کرتا۔ بلکہ خود الملک القدوس خدا تعالےٰ اپنے نہاں در نہاں ہاتھ کو نمایاں کر رہا ہے۔ آپ نے خدا تعالےٰ کے وجود پر خیالی یا رسمی طور پر ایمان نہیں رکھا۔ بلکہ گیارہ سال کی عمر کا بچہ اپنے حجرہ میں بیٹھا ہوا اپنے نفس سے سوال کر رہا ہے اور سرسری طور پر نہیں رات کے بہت بڑے حصہ تک وہ اسی فکر میں ڈوبا ہؤا نظر آتا ہے۔ اور جب تک خدا تعالےٰ کی ہستی کے متعلق ایک مسرت بخش اور لذیذ ایمان پیدا نہیں ہو جاتا۔ وہ اسے ترک نہیں کرتا۔ یہ تفصیل نہ خود اُنہوں نے بیان کی ہے اور نہ اس وقت اس کی حقیقت پر تفصیل سے کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی ہستی کے متعلق آپ کے معصوم دل دماغ میں رات کی ان سنسان گھڑیوں میں ایک عجیب مباحثہ کی کیفیت رہی اور بالآخر قلب میں اس حقیقت کا یقین پلا دیا گیا کہ خدا ہے۔ واقعات کی نوعیت بتاتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہی وہ تحریک پیدا کی اور آپ ہی اس کی رہنمائی کر کے اپنی ذات اور ہستی کے متعلق ایک

> بصیرت افروز ایمان پیدا کر دیا

نہ صرف یہ کہ اسی وقت آپ کے قلب میں [illegible] پیدا کر دی اور آپ نے وہ عظیم الشان دعا کی۔ جس نے ہمیشہ کے لئے شک و شبہات کی تاریکی کو دُور کر دیا۔

میرا مقصد اس وقت آپ کی سیرت یا سوانح پر کوئی تفصیلی یا تشریحی تبصرہ کرنا نہیں بلکہ صرف ایک قسم کی تحریک پڑھنے والوں کو غور کے لئے کرنا ہے۔

گیارہ برس کے بچے کے یہ تاثرات طبعی نہیں ہو سکتے۔ جب تک خدا تعالےٰ کی تجلی اس پر نہ ہو۔ اس لئے اس راز سربستہ پر جانے کے لئے میں قارئین کرام کو کہوں گا۔ کہ وہ پسر موعود کی پیشگوئی کو پڑھیں۔

اس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اسکے سر پر ہو گا۔ اس پیشگوئی اور پسر موعود کے متعلق مختلف تحریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نے خدا سے وحی پا کر جو تصریحات فرمائی ہیں۔ وہ مومن کے ازدیاد ایمان کا زبردست ذریعہ ہیں۔ خدا تعالےٰ نے خود اسے اولوالعزم بھی ٹھیرایا ہے۔ اور آپ کی زندگی کا یہ واقعہ اور آپ کے سب سے پہلے عزم کا واقعہ ایک حیرت انگیز اثر اور کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ گیارہ سال کے بچے کے وہم میں بھی اس پیشگوئی کا کوئی اثر نہ تھا۔ مگر اس وقت وہ ایک عزم صمیم کرتا ہے۔ اور پینتیس سال بعد بھی اس عزم کی عظمت اس کے دل میں ہے۔ دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اپنی ہستی کے دلائل خود آپ کو سمجھائے اور ایسے رنگ میں کہ خود ستائی کی معرفت ایک بصیرت کے ساتھ آپ کو حاصل ہو گئی۔ اس بات کا ثبوت کہ خدا تعالےٰ ہی نے آپ یہ علم و معرفت آپ کو عطا کی۔ اس تقریر کے پڑھنے سے ہوتا ہے۔ جو آپ نے سالانہ جلسہ پر خدا تعالےٰ کی ہستی کے متعلق فرمائی۔ اس سے پہلے ۱۹۱۳ء میں آپ نے خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایک مضمون بھی شائع کیا تھا۔ مگر دراصل وہ ایک بنیادی چیز تھی۔ جس پر وہ شاندار قصر تیار کر دیا گیا۔ جو سالانہ جلسہ کی تقریر میں موجود ہے۔ اس تقریر کو اس بیان کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ تب صاف معلوم ہو گا۔ کہ وہ انسانی دماغ کا مجرد نتیجہ نہیں بلکہ یہ وہ علم ہے جو

خدا تعالےٰ کی رحمت نے بطور بیج کے گیارہ سال کی عمر میں بخشا اور پھر اس پر وسعت دی

ابن لقمان قرآن کریم میں اولوالعزم محمود ہے

۴ مارچ ۱۹۱۳ء کو عصر کی نماز کے بعد آپ نے سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع پر درس دیا اور فرمایا۔

یہ رکوع میری زندگی سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ سب سے پہلی تقریر[۱] جو میں نے عام مجلس میں کی۔ اسی رکوع کو پڑھ کر اسی مسجد (مسجد اقصیٰ) میں کی تھی۔ اب مسجد وسیع ہو گئی ہے۔ اور اسکی پہلی شکل نہیں رہی۔ لیکن اس وقت میں جہاں کھڑا ہوں۔ عین اس کے سامنے کے دروازہ میں کھڑے ہو کر میں نے تقریر کی تھی۔ اگرچہ اب علم میں بہت ترقی ہو گئی ہے۔ حالات اور افکار میں بہت تغیر ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی اس تقریر کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں کہ

وہ باتیں کس طرح میرے منہ سے نکلیں

اور اگر اب بھی وہ باتیں بیان کروں تو یہی سمجھوں گا۔ کہ خدا تعالےٰ نے اپنے خاص فضل سے سمجھائی ہیں۔

پہلی تقریر کے وقت کیا حالت تھی

اس وقت مجھ پر ایسی حالت تھی۔ کہ چھوٹی عمر (جو کہ ۱۷ سال کی تھی) کی وجہ سے اور مجمع عام میں پہلی دفعہ بولنے کی وجہ سے میرے اعصاب پر ایسا اثر پڑا ہوا تھا۔ کہ مجھے لوگوں کے چہرے نظر نہ آتے تھے۔ اندھیرا سا معلوم ہوتا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بعد میں اخبار میں میں نے تقریر پڑھی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ میں نے کیا کہا تھا۔

یہ رکوع تبلیغ کے لئے رہنما ہوا اور موجودہ عہد زندگی کی تعبیر ثابت ہوا

یہ رکوع میرے لئے تبلیغ اسلام کرنے میں بیج کا کام دے گیا۔ اور میں نے اس سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ یہ تو اس وقت کا ذکر ہے

لیکن اس حالت میں بھی (یہ عہد خلافت محمودیہ۔ عرفانی) اس رکوع کا مجھ سے خاص تعلق ہے۔ قرآن کریم قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں۔ تاریخ کی کتاب نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ تک پہنچنے کا راستہ بتانے والی کتاب ہے۔ اس لئے جو بات بھی اس میں بیان کی گئی ہے۔ وہ قصہ کے طور پر یا تاریخی لحاظ سے نہیں بیان کی گئی۔ بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ اسی رنگ کی بعد میں واقع ہو گی۔ دیکھو حضرت یوسف کا جو واقعہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ اس کی یہ غرض نہیں۔ کہ حضرت یوسف کے واقعہ کو تاریخی طور پر دوہرایا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا اور وہ بھی لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

پس قرآن کریم میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ وہ اسی لئے بیان کئے گئے ہیں۔ کہ وہ بعد میں بھی ہونے والے ہیں۔ اس رکوع میں ایک لقمان کا ذکر ہے۔ وہ لقمان کون ہے؟ اگر کوئی غور و فکر سے کام لے۔ اور سیاق و سباق کو دیکھے تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لقمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ پھر یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لقمان کا ایک بیٹا ہو گا۔ اور اس کو مشکلات پیش آئیں گی۔ اور اس رکوع میں اس کو کامیابی کے گر بتائے گئے ہیں۔[۲] اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہے۔ جو ہمارے درمیان ہے۔ متعنا اللہ بطول حیاتہ اسکی زندگی کی تعبیر واقعات کی روشنی میں ۱۹۱۴ء کے بعد سے پڑھو تو صاف سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ یہی وہ اولوالعزم ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اسی کی طرف اشارہ کیا۔ اور حضرت مسیح موعود پر جو کلام اس کے متعلق نازل فرمایا۔ اس میں اس کا نام اولوالعزم رکھا۔ توحید کا سبق بھی ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی میں خذ التوحید یا ابناء الفارس پر غور کرنے سے اور بھی لطف آتا ہے۔ اور حضرت خلیفہ ثانی کی ایک رویا شرک سے بچنے کے لئے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جسے میں اپنی جگہ پر درج کروں گا۔ آپ کے عہد خلافت کی مشکلات کے حل کی کنجی کلید ہے۔

تشحیذ الاذہان کا اجراء

۱۹۰۶ء میں رسالہ تشحیذ الاذہان جاری کیا۔ یہ رسالہ دراصل اس انجمن کا جو اسی نام سے آپ نے قائم کی تھی آرگن تھا۔ اور یہ نام خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھا تھا۔ اس رسالہ کے پہلے نمبر میں آپ نے ۱۴ صفحہ کا ایک بے نظیر انٹروڈکشن لکھا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۷ سال سے کچھ زائد تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ تھے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اس مضمون کو پڑھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اور مبارکباد دی۔ خواجہ صاحب اور مولوی محمد منی صاحب کو خصوصیت سے اس کے پڑھنے کی ہدایت کی مولوی محمد علی صاحب نے ریویو میں اس پر ریویو کیا۔ اور مضمون کا آخری حصہ درج کر کے انہوں نے خود حضرت اولوالعزم کے وجود کو بطور صداقت سلسلہ پیش کیا ہے۔ اور لکھا۔ کہ اس وقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے۔ (سترہ سے کچھ زائد عرفانی) اور تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ تو اعلیٰ تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال ان لوگوں کے دلوں میں ہو گا۔ مگر دین کی یہ ہمدردی اور اسلام کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ایک خارق عادت بات ہے۔ صرف اس موقعہ پر نہیں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے۔ کہ ہر موقعہ پر یہ دلی جوش ان کا ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی میر محمد اسحاق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں یہی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں اور ان کی اولاد کو خادم دین بنا

دین کے کاموں اور سلسلہ کی ضروریات میں دلچسپی کا آغاز کیونکر ہوا

یہاں ۱۹۰۵ء آیا۔ (سال کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے) ۱۹۰۵ء میں جو تغیرات آپ کی زندگی میں ہوئے یہ ان کا بیان ہے۔ اس لئے کہ حضرت مخدوم الملۃ مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ ۱۹۰۵ء میں بیمار ہوئے تھے۔ واقعات کا سلسلہ خود بتا رہا ہے۔ کہ ۱۹۰۵ء ہے۔ سہواً آپ نے ۱۹۰۶ء لکھا۔ عرفانی) مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بیمار ہوئے۔ میری عمر سترہ سال کی تھی (غالباً ۱۶ سال عرفانی) اور ابھی کھیل کود کا زمانہ تھا۔ مولوی صاحب بیمار تھے اور ہم سارا دن کھیل کود میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ یخنی لے کر میں مولوی صاحب کے لئے گیا تھا۔ اس کے سوا یاد نہیں کہ کبھی پوچھنے بھی گیا ہوں۔ (یہ آپ کی صداقت اور راستبازی کی ایک بہت ہی واضح مثال ہے۔ آپ نہایت سادگی اور بغیر کسی قسم کے تکلف اور تصنع کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔ عرفانی)

اس زمانہ کے خیالات کے مطابق یقین کرتا تھا۔ کہ مولوی صاحب فوت نہیں ہو سکتے۔ وہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد فوت ہونگے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت تیز تھی۔ ایک دو سبق ان کے پاس الف لیلہ کے پڑھے پھر چھوڑ دیئے۔ اس سے زیادہ ان سے تعلق نہ تھا۔

حضرت مسیح موعود کا دایاں اور بایاں فرشتہ

ہاں ان دنوں میں بحثیں[۳] خوب ہوا کرتی تھیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دایاں فرشتہ کونسا ہے

---

[۱] حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے یہ تقریر ۱۹۰۷ء کے سالانہ جلسہ پر مسجد اقصیٰ میں فرمائی تھی۔ اس تقریر کو اخبار الحکم میں تمام و کمال شائع کیا گیا تھا۔ مکرمی قاضی اکمل صاحب نے اس پر اپنے تاثرات کا جو اظہار کیا تھا۔ وہ الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا یہ واقعہ ہے۔ اور یہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی پہلی پبلک تقریر تھی۔ میں قاضی صاحب کے تاثرات کو یہاں دینا اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کو پڑھ کر ایک حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ اور جو لوگ اس تقریر میں نہ تھے۔ وہ اس کیفیت کو الفاظ کے قالب میں محسوس کر سکیں گے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں:۔

برج نبوت کا روشن ستارہ درج رسالت کا درخشندہ گوہر محمود سلمہ رب الودود شرک پر تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا میں ان کی تقریر ایک خاص توجہ سے سنتا رہا۔ کیا بتاؤں فصاحت کا ایک سیلاب تھا جو اپنے پورے زور سے بہہ رہا تھا۔ واقعی اتنی چھوٹی سی عمر میں خیالات کی پختگی اعجاز سے کم نہیں۔ میرے خیال میں یہ بھی حضور علیہ السلام کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ مسیحیت مآب کی تربیت کا جوہر کس درجہ کمال پر پہنچا ہوا ہے۔ آپ نے روحانی کمالات پر عجیب طرز سے بحث کی۔ اور بتایا کہ انسان جب نماز کو قائم کر لیتا اور شرک سے بکلی مجتنب ہو جاتا ہے تو اسے مامور کیا جاتا ہے اور وہ لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہے۔ اس وقت اس کی نہایت سخت مخالفت کی جاتی ہے۔ مگر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ صبر و استقامت سے کام لے کیونکہ اولوالعزموں کے یہی کام ہیں۔ پھر صبر کے بعد ایسا زمانہ آتا ہے جبکہ خلائق کا رجوع اس کی طرف ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں یہ حکم دیا گیا۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ الآیۃ (الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء)

اس وقت نہ تو بولنے والے کو اور نہ ان تاثرات کے مظہر کو معلوم تھا۔ کہ آٹھ سال کے بعد یہی اولوالعزم ان آیات کا مصداق ثابت ہو گا اور سولہ برس بعد وہ یہ دعویٰ کریگا۔ کہ ۔

[۲] یہ رکوع میری زندگی سے خاص تعلق رکھتا ہے اور ۱۹۱۴ء کے بعد جو سلسلہ واقعات کا شروع ہوتا ہے وہ سورۃ لقمان کے اسی رکوع کی واقعاتی رنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی زندگی کا مرقع ہے۔ (عرفانی)

[۳] یہ بحثیں دو حصوں میں منقسم تھیں۔ ایک تو وہی جو حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔ خاکسار عرفانی بھی اس مقابلہ میں نور الدینی تھا۔ لیکن ایک اور علاوہ بائیں فرشتہ کے متعلق تھا۔ بعض حضرات مولوی عبدالکریم صاحب کو بایاں فرشتہ سمجھتے تھے اور بعض حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کو۔ یہ جماعت بھی ایک خاص رنگ رکھتی تھی۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی زندگی میں تو پلہ بھاری انہیں کا تھا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد یہ خیال مولوی محمد احسن صاحب کی طرف اضطرار ہو گیا۔ عرفانی

اور بایاں کو رنا۔ بعض کہتے مولوی عبدالکریم صاحب دائیں ہیں۔ بعض حضرت استاذی المکرم خلیفہ اول کی نسبت کہتے۔ کہ وہ دائیں فرشتے ہیں۔ علموں اور کاموں کا موازنہ کرنے کی اُس وقت طاقت نہ تھی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس محبت کی وجہ سے جو حضرت خلیفہ اول مجھ سے کیا کرتے تھے۔ میں نور الدینوں میں سے تھا۔ ہم نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی دریافت کیا۔ اور آپ نے ہمارے خیال کی تصدیق کی۔

مولوی صاحب کی وفات آپ کی زندگی میں تغیر عظیم کا باعث ہو گئی

غرض مولوی عبدالکریم صاحب سے کوئی زیادہ تعلق مجھے نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں ان کے پُرزور خطبوں کا مداح تھا۔ اور ان کی محبت اور ان کی محبت مسیح موعودؑ کا معتقد تھا۔ مگر جونہی آپ کی وفات کی خبر میں نے سُنی۔ میری حالت میں ایک تغیر پیدا ہو گیا۔ وہ آواز ایک بجلی تھی۔ جو میرے جسم کے اندر سے گذر گئی۔ جس وقت میں نے آپ کی وفات کی خبر سُنی۔ مجھ میں برداشت کی طاقت نہ رہی۔ دوڑ کر اپنے کمرہ میں گھس گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر ایک بے جان لاش کی طرح چارپائی پر گر گیا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ آنسو نہ تھے۔ ایک دریا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی مولوی صاحب کی محبت مسیح اور خدمت مسیح کے نظارے آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے۔ دل میں بار بار خیال آتا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود کے کاموں میں یہ بہت سا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اب آپ کو بہت تکلیف ہو گی۔ اور پھر خیالات پر ایک پردہ پڑ جاتا تھا۔ اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگتا تھا۔ اس دن نہ میں کھانا کھا سکا۔ نہ میرے آنسو تھمے۔ حتیٰ کہ میری لاابالی طبیعت کو دیکھتے ہوئے میری اس حالت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی تعجب ہوا۔ اور آپ نے حیرت سے فرمایا۔ کہ

محمود کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کو تو مولوی صاحب سے کوئی ایسا تعلق نہ تھا۔ یہ تو بیمار ہو جائیگا

زندگی کا نیا دور

خیر مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات نے میری زندگی کے ایک نئے دَور کو شروع کیا۔ اسی دن سے میری طبیعت میں دین کے کاموں اور سلسلہ کی ضروریات میں دلچسپی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ اور وہ بیج بڑھتا ہی چلا گیا۔ سچ یہی ہے۔ کہ کوئی دنیاوی سبب حضرت استاذی المکرم مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ کی زندگی اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے زیادہ میری زندگی میں تغیر پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر مجھے یوں معلوم ہوا۔ کہ گویا ان کی رُوح مجھ پر آپڑی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال اور آپ کی لاش کے سامنے اولوالعزم کا عہد

۱۹۰۸ء کا ذکر میرے لئے تکلیف دہ ہے وہ میری کیا سب احمدیوں کی زندگی میں ایک نئے دَور کے شروع کرنے کا موجب ہوا۔ اس وصال وہ ہستی جو ہمارے بے جان جسموں کے لئے بمنزلہ روح کے تھی۔ اور ہماری بے نور آنکھوں کے لئے بمنزلہ روشنی کے تھی ہم سے جدا ہو گئی۔ یہ جدائی نہ تھی۔ ایک قیامت تھی۔ پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اور آسمان اپنی جگہ سے ہل گیا۔ اللہ تعالےٰ گواہ ہے۔ اس وقت نہ روٹی کا خیال تھا نہ کپڑے کا۔ صرف ایک خیال تھا۔ کہ اگر ساری دنیا بھی مسیح موعود علیہ السلام کو چھوڑ دے۔ تو میں نہیں چھوڑوں گا۔ اور پھر اس سلسلہ کو دنیا میں قائم کروں گا۔ میں نہیں جانتا۔ میں نے کس حد تک اس عہد کو نباہا ہے۔ مگر میری نیت ہمیشہ یہی رہی ہے۔ کہ اس عہد کے مطابق میرے کام ہوں۔

میں یہ خدا تعالےٰ کا خاص فضل سمجھتا ہوں۔ کہ اس نے ایک موقعہ پر میرے دل میں ایک خاص بات ڈالی تھی۔ اور اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے۔ تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ اب لوگ آپ پر طرح طرح کے اعتراض کریں گے۔ اور بڑے زور کی مخالفت شروع ہو جائے گی۔ اس وقت سب سے

پہلا کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرہانے کھڑے ہو کر۔

جو کیا وہ یہ عہد تھا۔ کہ

اگر سارے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دینگے اور میں اکیلا رہ جاؤنگا۔ تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کرونگا۔ اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا۔

حاشیہ از عرفانی

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے اس عہد کی عظمت اور اس عہد کے پُورا کرنے کے لئے آپ کی عظیم الشان قربانی اور عزم کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔ خصوصاً جب ان حالات اور واقعات کو پیش نظر رکھا جاوے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت گردو پیش تھے۔ مختلف قسم کی مخالفتوں کا زور تھا۔ اور بعض پیشگوئیوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ لاہور ہی میں وہاں کے ایک ناپاک گروہ نے جو طوفانِ بے تمیزی برپا کیا۔ اس کے تصوّر سے بھی آج تکلیف ہوتی ہے۔ ان حالات میں ۱۹ برس کا ایک نوجوان ہاں مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا اپنے باپ کی لاش کے سامنے کھڑا ہو کر خدا تعالےٰ سے ایک عہد کرتا ہے۔ وہ عہد اس کے دل کی کوئی لہر یا رَو نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے خود اس خیال کو اس کے دل میں ڈالا۔ گویا خدا تعالےٰ نے آپ کو جس عظیم الشان کام کے لئے پیدا کیا تھا۔ آج اُس کا آغاز ہو رہا تھا۔ اور وہ خدا کے ہاتھ پر ایک نیا عہد باندھ رہا تھا۔ اس عہد کو اس اولوالعزم نے کس طرح پورا کیا۔ یہ آج (۱۹۳۲ء تک) ۱۸ برس کی طویل داستان ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تبلیغ و اشاعت سلسلہ کا کوئی خاص انتظام اور صیغہ نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی اس کام میں شب و روز مصروف رہتے۔ اور مختلف کتابوں کی تصنیف اور اشتہارات کی اشاعت آپ کرتے تھے۔ سلسلہ کی اشاعت کے لئے الحکم و بدر اور ریویو آف ریلیجنز اخبارات اور ماہواری رسالہ بھی تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی کوئی خاص محکمہ اس مقصد کے لئے قایم نہ ہوا۔ صدر انجمن کے اغراض و مقاصد میں اشاعت اسلام ایک ضمیمہ تھا۔ بعض مقامات پر کوئی جلسہ ہو جاتا۔ کسی مولوی صاحب کو بھیجدیا جاتا۔ لیکن سلسلہ کا نظام عملی طور پر اسی اولوالعزم نے قایم کیا۔ اور ایسی حالت میں کہ آپ کی مخالفت میں ایک خطرناک طوفان برپا کر دیا گیا تھا۔ خود جماعت کے اندر ایک فتنہ پیدا ہوا۔ اور وہ چند آدمی جو صدر انجمن کے کاموں میں دخیل اور با اثر تھے۔ وہ مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی مخالفت معمولی مخالفت نہ تھی۔ اس نے جماعت میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا۔ اور اس زلزلہ کے وقت صدر انجمن کی مالی حالت یہ تھی۔ کہ خزانہ میں چند آنے تھے۔ لیکن اس اولوالعزم نے اس مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ اور اپنے عہد پر قایم رہا۔ اور تبلیغ سلسلہ کا وہ نظام قایم کیا کہ آج اس کی نظیر نہیں ملتی۔ عین اس حالت میں کہ جماعت میں فتنہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور عالمگیر جنگ کے آغاز کی وجہ سے عام حالات میں بھی پریشانی اور دہشت پیدا ہو گئی تھی۔ آپ نے لنڈن مشن کو مستقل طور پر قایم کر دیا۔ اور پھر یہ سلسلہ تبلیغ تمام دنیا میں پھیل گیا۔ انگلستان۔ افریقہ۔ امریکہ۔ مصر۔ شام میں مبلغین بھیجدیئے گئے۔ سماٹرا۔ جاوا میں دار التبلیغ قایم ہو گئے۔ اور نہایت سرعت کے ساتھ یہ سلسلہ بڑھ رہا ہے۔ سلسلہ کے نظام کو مضبوط کرنے کے لئے مختلف نظارتیں قایم کر دیں۔ جن میں ایک مستقل نظارت دعوت و تبلیغ کی بڑی قوت کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ اور اس نظارت نے تبلیغی نظام کو آپ کی ہدایات کے ماتحت نہ صرف مضبوط کیا۔ بلکہ ایسا وسیع کر دیا ہے۔ کہ دشمنوں کو بھی اعتراف ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں خلافت کی پیشکش اور مومنانہ جواب

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی قسم کے بعد ضرورت نہیں رہتی۔ کہ اس سوال پر مزید روشنی ڈالی جائے کہ آپ کو کبھی خواہش خلافت نہ تھی۔ لیکن چونکہ بعض واقعات کا آپ کی زندگی سے تعلق ہے۔ اور وہ خلافت کے سلسلہ میں پیش آئے۔ اور آپ نے ان کو بیان کیا ہے۔ اس لئے ان کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی علالت کے ابتدائی ایام میں جبکہ کچھ دن آپ کی حالت نازک ہو گئی تھی۔ ایک واقعہ پیش آگیا۔ جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف یہ کہ آپ کو کبھی اسکی خواہش نہ تھی۔ آپ کی ایمانی غیرت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اخلاقی جرأت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"۱۹۱۰ء کے آخری مہینوں میں حضرت خلیفۃ المسیح گھوڑے سے گر گئے۔ اور کچھ دن آپ کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ حتیٰ کہ آپ نے مرزا یعقوب بیگ صاحب سے جو اس وقت آپ کے معالج تھے دریافت کیا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا۔ آپ بے دھڑک طبی طور پر بتا دیں۔ کہ اگر میری حالت نازک ہے۔ تو میں کچھ ہدایات وغیرہ لکھوا دوں۔ مگر چونکہ یہ لوگ حضرت مولوی صاحب کا ہدایات لکھوانا اپنے لئے مضر سمجھتے تھے آپ کو کہا گیا کہ حالت خراب نہیں ہے۔ اور اگر ایسا وقت ہوا۔ تو وہ خود بتا دیں گے۔ مگر وہاں سے نکلتے ہی ایک مشورہ کیا گیا۔ اور دوپہر کے وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب میرے پاس آئے۔ کہ ایک مشورہ کرنا ہے۔ آپ ذرا مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر تشریف لے چلیں میرے نانا صاحب جناب میر ناصر نواب صاحب کو بھی وہاں بلوایا گیا تھا جب میں وہاں پہنچا۔ تو مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ صاحب۔ مولوی صدر الدین صاحب اور ایک یا دو آدمی وہاں پہلے سے موجود تھے۔ خواجہ صاحب نے ذکر شروع کیا۔ کہ آپ کو اس لئے بلوایا ہے۔ کہ حضرت مولوی صاحب کی طبیعت بہت بیمار اور کمزور ہے۔ ہم لوگ یہاں ٹھیر تو سکتے نہیں لاہور واپس جانا ہمارے لئے ضروری ہے۔ پس اس وقت دوپہر کو جو آپ کو تکلیف دی ہے۔ تو اس سے ہماری غرض یہ ہے۔ کہ کوئی ایسی بات طے ہو جائے کہ فتنہ نہ ہو۔ اور ہم لوگ آپ کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم میں سے کسی کو خلافت کی خواہش نہیں ہے۔ کم سے کم میں اپنی نسبت تو کہہ سکتا ہوں۔ کہ مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے۔ اور مولوی محمد علی صاحب بھی آپ کو یقین دلاتے ہیں۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب بولے کہ مجھے بھی ہرگز خواہش نہیں۔ (اگر خواہش نہیں تھی۔ تو پھر اس قسم کی تجویزوں کی کیا ضرورت تھی؟ عرفانی) اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ ہم بھی آپ کے سوا خلافت کے قابل کسی کو نہیں دیکھتے۔ (پھر انکار کرنے کی کیوں جرأت کی؟ دیوبون مالیس فی قلوبہم۔ عرفانی) اور ہم نے اس امر کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن آپ ایک بات کریں۔ کہ خلافت کا فیصلہ اس وقت تک نہ ہونے دیں۔ جب تک ہم لاہور سے نہ آجاویں (چودھری جو ہوئے؟ عرفانی) ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص جلد بازی کرے۔ اور پیچھے فساد ہو۔ (یہ جلد بازی کرنے والا کون شخص تھا؟ اندر چھپا ہوا ایک مرض ہے جو نام لینے نہیں دیتا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ ایچ پیچ از عرفانی کو بدنام کرنے کا منصوبہ تھا۔ جو شروع خلافت اوّل سے کیا جا رہا تھا کوئی ان بھلے مانسوں سے پوچھتا کہ صاحب آپ نے خلافت کا فیصلہ کر لیا۔ کہ آپ کو خواہش نہیں۔ اور حضرت محمود کے سوا اور کوئی قابل نہیں۔ پھر بفرض محال اگر تمہاری غیر حاضری میں وہی خلیفہ منتخب ہو جائیں۔ تو فساد کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ جبکہ تمہاری منشا اور فیصلہ کے موافق ہو۔ مگر یہ سب چالاکیاں اور منصوبہ بازیاں تھیں اور خدا تعالےٰ نے ان مکاید کو انہیں پر اُلٹ دیا۔ عرفانی) ہمارا انتظار ضرور کر لیا جاوے۔ میر صاحب نے تو یہ جواب دیا۔ کہ ہاں جماعت میں فساد کے

مٹانے کے لئے ضرور تجویز کرنی چاہئے۔ مگر۔

میں نے اس وقت کی ذمہ داری کو محسوس کر لیا۔ اور صحابہ کا طریق میرے سامنے آگیا۔ کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے متعلق تجویز خواہ وہ اس کی وفات کے بعد کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ ناجائز ہے۔ پس میں نے ان کو یہ جواب دیا۔ کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں اس کے جانشین کے متعلق تعیین کر دانی اور فیصلہ کر دینا کہ اسکے بعد فلاں شخص خلیفہ ہو گناہ ہے۔ میں تو اس امر میں کلام کرنے کو ہی گناہ سمجھتا ہوں۔ (صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ آئینہ صداقت)

حضرت امیر المؤمنین کی قبولیت دعا کے

مشاہدات

(از جناب چودھری عبد القادر صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام و کرسی نشین ساکن کھوکھوال ضلع ہوشیارپور۔ حال امرتسر کوٹھی میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر و کورٹ آف کشنر)

پہلا نشان یہ ہے کہ ۱۹۱۷ء میں جبکہ جنگ عظیم ہو رہی تھی۔ خاکسار بصرہ اور بغداد میں تھا۔ ہر وقت جان خطرے میں تھی۔ بعض دفعہ نہایت ہی سخت اور خطرناک مقامات پر خاکسار کو جانا پڑا۔ جہاں سے ظاہری اسباب کے لحاظ سے زندہ واپس آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ گولیاں میرے سر کے اوپر سے گزرتی تھیں۔ خاکسار حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں دعا کے لئے لکھتا رہا۔ جناب مولانا عبد الرحیم صاحب نیر کے ہاتھ سے لکھے ہوئے حضور پر نور کی طرف سے تسلی بخش جواب جاتے رہے۔ حضور پر نور کی دعاؤں کا نمایاں معجزہ یہ ہوا کہ خاکسار زندہ سلامت مظفر و منصور بعض تمغے حاصل کر کے وطن کو واپس لوٹا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ؂

وہی کرامت ہیں کہ از آتش برون آمد سلیم

دوسرا نشان یہ ہے کہ ۱۹۳۱-۳۲ء میں مجھے سرکار کی طرف سے ایک مربع ملا تھا۔ اس کو میں نے نصف نصف اپنے بھائی مسمی عطار محمد اور اپنے لڑکے مسمی سلیمان کے نام کروا دیا تھا۔ چونکہ شروع سے ہی مربعوں کے ملنے کے متعلق حضرت امیر المؤمنین سے خاکسار دعائیں کروا تا رہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے جلدی بعد ایک مربع کی بجائے دو مربعے مل گئے۔ ایک سالم میرے بھائی کے نام ہو گیا۔ اور دوسرا سالم میرے لڑکے کے نام۔ یہ دوسرا معجزہ خدا تعالےٰ نے حضور پر نور کی قبولیت دعا کا ہمیں دکھلایا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

تیسرا نشان یہ ہے کہ ۱۹۳۶-۳۷ء میں ہمارے گاؤں میں ایک عورت مسماۃ اتو کی لاولد فوت ہو گئی تھی۔ جس ڈھیری میں اس کی زمین تھی۔ ڈھیری والے یہ چاہتے تھے کہ اس کی زمین ہماری ڈھیری میں شامل ہو۔ چنانچہ شروع میں افسران مال نے وہ زمین ڈھیری والوں ہی کو دیدی تھی۔ لیکن اس پر میں نے دعویٰ کیا کہ وہ زمین شاملات دہ میں شامل ہونی چاہیئے۔ حضرت امیر المؤمنین سے لگاتار دعائیں کروا تا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری خواہش کے مطابق زمین مذکورہ شاملات دہ میں شامل ہو گئی۔ یہ تیسرا معجزہ حضور پر نور کی دعاؤں کی قبولیت کا ہم نے دیکھا فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ نظم جناب محترم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے میرزا عبد الحمید صاحب کی بچی امۃ الرشید سلمہا اللہ کے لیے تحریر فرمائی

مبارک اے جماعت احمدی ہو — مبارک یہ خلافت جوبلی ہو
بڑھے آتے ہیں زائر ہر طرف سے — کہ جوں ارض حرم تیری گلی ہو
مسرت کی ہوائیں چل رہی ہیں — شگفتہ اس چمن کی ہر کلی ہو
خدا کی نصرتیں ہیں شامل حال — بلاشک آپ اللہ کے ولی ہو
فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہو جو راز — وہ قلب مطمئن پر منجلی ہو
دیا ہے بہرہ وافی خدا نے — وہ الہام خفی ہو یا جلی ہو
اتر سکتی نہیں دیتی ہے کیا زیب — قبا جو فضل ربانی سے لی ہو
پکار اٹھے ہیں ہندو بھی کہ لاریب — مجسم قدرت حق بانہ بلی ہو
مقدر تھا کہ لکھا اسم محمود — مساجد پر بعنوان جلی ہو
ہر اک ہے بستہ فتراک احمد — عرب کے دیس کا۔ یا۔ کابلی ہو
وہ حق ہے احمدیہ سلسلے کا — جو نعمت خاص جنت سے چلی ہو
دعا ہے اے قدیر و حی و قیوم — کہ پھر پچاس سالہ جوبلی ہو

کہیں سب یک زباں ہو کر کہ۔ پوری
رشیدہ کی تمنائے دلی ہو!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے متعلق روایات

جو

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی نے بیان فرمائیں

نوشتہ حضرت عرفانی کبیر

۲۶ دسمبر ۱۹۱۹ء بر تقریب جلسہ سالانہ فرمایا :-

مجھے یاد ہے قادیان میں ایک دفعہ پشاور سے ایک مہمان آیا اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے تھے اور مہمان آپ سے ملتے تھے۔ اور جیسا کہ میں نے سنا ہے نبیوں سے ان کے متبعین کو خاص محبت اور اخلاص ہوتا ہے اور انہیں نبی کو دیکھ کر اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اور وہ کسی اور بات کی پروا ہی نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے مفتی محمد صادق صاحب کی روایت ہے۔ جلسہ کے ایام میں ایک دفعہ جب حضرت صاحب باہر نکلے۔ تو آپ کے اردگرد بڑا ہجوم ہو گیا۔ اس ہجوم میں ایک شخص نے حضرت صاحب سے مصافحہ کیا۔ اور ہجوم سے باہر نکل کر اپنے ساتھی سے پوچھا۔ کہ تم نے مصافحہ کیا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا۔ اتنی بھیڑ میں کہاں جگہ مل سکتی ہے۔ اس نے کہا جس طرح ہو سکے مصافحہ کر خواہ تمہارے بدن کی ہڈی ہڈی کیوں نہ جدا ہو جاوے۔ یہ موقعے روز روز نہیں ملا کرتے۔ چنانچہ وہ گیا اور مصافحہ کیا۔

غرض نبی کو دیکھ کر ایک خاص قسم کا جوش انسان کے دل میں موجزن ہوتا ہے اور وہ جوش اتنا وسیع ہوتا ہے کہ نبی کے خدمتگاروں کو دیکھ کر بھی اُبل پڑتا ہے۔

جب حضرت مسیح موعودؑ نماز کے بعد مسجد میں بیٹھتے تو لوگ آپ کے قریب بیٹھنے کے لئے دوڑ پڑتے۔ گو اس وقت تھوڑے ہی لوگ ہوتے تھے تاہم ہر ایک یہی چاہتا تھا۔ کہ میں سب سے قریب بیٹھوں۔ اس شخص کے مقدر میں چونکہ ابتلا تھا۔ اس لئے اسے خیال نہ آیا۔ کہ میں کس کی مجلس میں آیا ہوں۔ اس نے سنتیں پڑھنی شروع کیں۔ اور اتنی لمبی کر دیں کہ پہلے تو کچھ عرصہ لوگ انتظار کرتے رہے۔ مگر جب انتظار کرنے والوں نے دیکھا۔ کہ دوسرے لوگ ہم سے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ اور قریب قریب کی جگہ حاصل کر رہے ہیں۔ تو وہ بھی جلدی سے آگے بڑھ کر حضرت کے پاس جا بیٹھے۔ مگر ان کے جلدی سے گذرنے سے کسی کی کہنی اسے لگ گئی۔ اس پر وہ ناراض ہو کر کہنے لگا۔ اچھا نبی اور مسیح موعود ہے۔ کہ اس کی مجلس کے لوگ نماز پڑھنے والوں کو ٹھوکریں مارتے ہیں۔ اتنی سی بات پر وہ مرتد ہو کر چلا گیا۔ گویا جو چیز ایمان کی ترقی کا باعث ہے اور اب بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اس کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو گئی اور اس کی مثال اس جماعت کی سی ہو گئی۔ جس کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ

جب روشنی ہوئی تو ان کا نور جاتا رہا

فرمایا :-

حضرت صاحب کے زمانے میں ایک شخص آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے کبھی محمدؐ کہا جاتا ہے کبھی عیسےٰؑ کبھی موسےٰؑ کبھی ابراہیمؑ اور میں کبھی عرش پر چلا جاتا ہوں۔ حضرت صاحب نے کہا۔ جب تمہیں موسےٰ کہا جاتا ہے تو حضرت موسےٰ جیسا معجزہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جب عیسےٰ کہا جاتا ہے تو تمہیں عیسےٰ والے نشان بھی دیئے جاتے ہیں؟ کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جب محمدؐ کہا جاتا ہے تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طاقتیں بھی دی جاتی ہیں؟ کہا نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جب عرش پر جاتے ہو تو کیا جلالی نشان بھی دیئے جاتے ہیں؟ کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص کسی کو کہتا ہے لے اور جب وہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو کچھ نہیں دیتا۔ کیا اس کے اس فعل سے معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس سے ہنسی کی جا رہی ہے۔ یا اس کی آزمائش کر رہا ہے۔ اس طرح تم سے یہ استہزا کیا جا رہا ہے جو تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ تم بہت توبہ کرو۔

حضرت صاحب کی وفات سے پہلے ایام کا ذکر ہے۔ کہ ملک مبارک علی صاحب تاجر لاہور روز شام کو اس مکان پر آ جاتے جس میں حضرت صاحب ٹھیرے ہوئے تھے۔ اور جب حضرت صاحب باہر سیر کو جاتے تو وہ اپنی بگھی میں بیٹھ کر ساتھ ہو جاتے تھے۔ مجھے حضرت صاحب نے سیر کے لئے ایک گھوڑی منگوا دی تھی۔ میں بھی اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا۔ اور سواری کی سڑک پر گاڑی کے ساتھ ساتھ گھوڑی دوڑاتا چلا جاتا تھا۔ اور باتیں بھی کرتا جاتا تھا لیکن جس رات کو حضرت صاحب کی بیماری میں ترقی ہو کر دوسرے دن آپ نے فوت ہونا تھا۔ میری طبیعت پر کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے میں گھوڑی پر سوار نہ ہوا۔ ملک صاحب نے کہا۔ میری گاڑی میں آ جاویں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ لیکن بیٹھتے ہی میرا دل افسردگی کے ایک گہرے گڑھے میں گر گیا۔ اور یہ مصرعہ میری زبان پر جاری ہو گیا۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

ملک صاحب نے مجھے اپنی باتیں سنائیں۔ میں کسی ایک آدھ بات کا جواب دے دیتا تو پھر اسی خیال میں مشغول ہو جاتا۔ رات کو ہی حضرت صاحب کی بیماری یکدم ترقی کر گئی۔ اور صبح آپ فوت ہو گئے۔ یہ بھی ایک تقدیر خاص تھی۔ جس نے مجھے وقت سے پہلے اس ناقابل برداشت صدمہ کے برداشت کرنے کے لئے تیار کر دیا

نوٹ از عرفانی - یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد صاحب مکرم کا انتقال ہونے کو آیا تو اس سے قبل اللہ تعالےٰ نے ان پر وحی نازل کر کے اس آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ اور ایک بشارت دے کر آپ کے دل کو قوی کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے پہلے حضرت اولوالعزم کی زبان پر الہامی مصرعہ

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

جاری کر کے ایک آنے والے واقعہ کی اطلاع دیدی۔ اور آپ کو قوت برداشت کا اس سے پتہ ملتا ہے۔ کہ آپ نے وفات مسیح موعود علیہ السلام پر صبر و حوصلہ کا وہ نمونہ دکھایا۔ کہ آپ کے جنازے پر کھڑے ہو کر وہ عظیم الشان عہد کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بدظنی کرنے والے

وہ لوگ جو ہم سے [illegible] ہو گئے ہیں۔ ان میں اپنے بھائیوں پر بدظنی کرنے کی عادت تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت صاحب کی نسبت کہہ گذرے۔ کہ آپ جماعت کا روپیہ اپنے ذاتی مصارف پر خرچ کر لیتے ہیں۔ حضرت صاحب کو آخری وقت میں یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔ اور آپ نے مجھے فرمایا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ لنگر کے لئے جو روپیہ آتا ہے۔ اسے میں اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کر لیتا ہوں۔ مگر ان کو معلوم نہیں۔ لوگ جو میرے لئے نذروں کا روپیہ لاتے ہیں۔ میں تو اس میں سے بھی لنگر کے لئے خرچ کرتا ہوں“

چنانچہ میں آپ کے منی آرڈر لایا کرتا تھا۔ اور مجھے خوب معلوم ہے کہ لنگر کا روپیہ بہت تھوڑا آیا کرتا تھا۔ اور اتنا تھوڑا آیا کرتا تھا کہ اس سے خرچ نہ چل سکتا تھا۔

حضرت صاحب نے مجھے فرمایا تھا۔ کہ اگر میں لنگر کا انتظام ان لوگوں کے سپرد کر دوں تو یہ کبھی اس کے اخراجات کو پورا نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب تک اس بدظنی کا خمیازہ بھگتا جا رہا ہے۔ کہ لنگر کا فنڈ ہمیشہ مقروض رہتا ہے۔

میری بیماری کا فکر شفقت پدری کا ایک واقعہ

فرمایا۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر (لاہور عرفانی) اس سفر میں کہ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کسی ہندو پنشنر سشن جج کی آمد کی خبر دینے کو آئے۔ جو بغرض ملاقات آئے تھے۔ آپؑ نے اس وقت ان سے کہا۔ کہ میں بھی بیمار ہوں۔ مگر محمود بھی بیمار ہے۔ مجھے اس کی بیماری کا زیادہ فکر ہے۔ آپ اس کا توجہ سے علاج کریں (ملائکۃ اللہ ص۶۸)

حضرت مسیح موعود اور خدا تعالیٰ پر ایمان

فرمایا۔ میں نے حضرت صاحب کا لکھا ہوا ایک نوٹ دیکھا تھا۔ اور اسے چھپوا دیا ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔ کہ لوگ کہتے ہیں تو خدا کو چھوڑ دے۔ مگر میں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں؟ جبکہ سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا مجھے آ کر جگاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بتاؤ ایسے خدا کو میں کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ (ص۶۹)

شبر خدا کے سامنے ایک مسمرائزر

لاہور کے ایک ہندو کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتابیں بھیجا کرتے تھے۔ اس سے احمدیوں نے پوچھا۔ کہ تمہیں کتابیں کیوں بھیجتے ہیں۔ اس نے بتایا مجھے آپ سے بہت عقیدت ہے۔ جس کی بنا ایک واقعہ پر ہے میں علم مسمریزم کا بڑا ماہر ہوں۔ میں اگر کسی پر عمل کر دوں تو وہ ایسا زیر اثر ہو جاتا ہے۔ کہ میں جو چاہوں اس سے کام کراؤں مجھے ایک برات کے ساتھ قادیان کے قریب ایک گاؤں میں جانا پڑا شرارت جو سوجھی تو میں نے خیال کیا۔ کہ قادیان جا کر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی چاہیے۔ تاکہ وہ مریدوں کے سامنے ہی ایسی حرکات

شروع کردیں۔ جن سے ان کی خفت ہو۔ اس نے مسجد مبارک کا نقشہ بیان کیا۔ اور بتایا کہ جب میں گیا تو مرزا صاحب شہ نشین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ذرا پیچھے بیٹھ کر توجہ ڈالنی شروع کی۔ مگر ایسا معلوم ہوا کہ وہ بھی مقابلہ کر رہے ہیں۔ پھر میں نے اور زیادہ توجہ کی۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر میں نے سارا زور لگانا شروع کیا۔ اور سمجھا کہ اب ضرور میں آپ کو زیر کر لوں گا۔ لیکن عین اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آپ کے

دائیں بائیں دو شیر ہیں

جو مجھ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں ایسا گھبرایا کہ مجھے یہ بھی خیال نہ رہا۔ یہاں شیر کہاں آسکتے ہیں۔ اور فوراً اُٹھ کر بھاگا حتیٰ کہ جوتیاں بھی نہ پہن سکا۔ اور ہاتھ ہی میں لے کر بھاگ نکلا۔ میرے جانے کے بعد مرزا صاحب کو خیال آیا۔ تو آپ نے کہا۔ کہ کون یہاں سے اُٹھ کر گیا ہے۔ اسے بُلا لاؤ۔ چنانچہ دو تین آدمی میرے پیچھے میرے لینے کو آئے۔ لیکن میں نے انہیں یہی جواب دیا کہ اس وقت میرے حواس بجا نہیں۔ پھر کبھی حاضر ہوں گا۔ اور فوراً چلا آیا۔ وہ شخص اکونٹنٹ تھا۔ لاہور جا کر اس نے سارا واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خود لکھا اور ساتھ لکھا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ آپ **اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں ہیں**۔ میں اگرچہ ہندو ہوں۔ لیکن آپ کو اللہ تعالےٰ کا اوتار مانتا ہوں۔ آپ اپنی تصانیف مجھے عنایت کریں۔ (الفضل ۳۰ر جولائی ۱۹۳۸ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا آخری سالانہ جلسہ

مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا آخری جلسہ یاد ہے۔ میں سیر میں ساتھ تو نہیں تھا۔ مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر سے واپس گھر آئے۔ تو فرمایا۔ اب تو جلسہ پر اتنے آدمی آتے ہیں۔ کہ آئندہ جلسہ پر سیر کے لئے **جانا بالکل مشکل ہو جائے گا**۔ (یہ فقرہ گویا پیشگوئی ہو گیا۔ اور آپ اسی جلسہ پر اللہ کے حضور چلے گئے۔ عرفانی) آج ہم تھوڑی دُور گئے تھے مگر اس قدر غبار اُٹھا کہ آگے جانا مشکل ہو گیا۔ اس وقت اندازہ کیا گیا تو سات سو آدمی جلسے پر آئے تھے۔ یعنی اس وقت جتنے اِس مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اِن سے بھی کم اِس جلسہ پر تھے۔ اس سال کے جلسے کی تقریریں تو مجھے یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے۔ کہ اس مسجد کے صحن میں جو تیر ہے۔ اس سے ورے مسجد کے فرش کی منڈیر تھی۔ اس وقت مسجد کا صحن موجودہ صحن سے بہت چھوٹا تھا۔ اس پر لوگ بیٹھے تھے۔ اور مسجد کے درمیانے در میں کرسی پر بیٹھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریر فرمائی تھی۔ ہم اس منڈیر پر بیٹھے تھے اور اس وقت کی مسجد بالکل پُر تھی۔ اور تمام احباب اس ذوق شوق سے لبریز تھے۔ کہ خدا تعالےٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت اب جماعت بہت پھیل گئی ہے۔ (۲۸ر نومبر ۱۹۳۰ء مندرجہ ۴ر دسمبر ۱۹۳۰ء ص۵)

غفلت پر ندامت کا اظہار رُوحانی ترقی کا مُوجب ہوتا ہے

فرمایا:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت معاویہ کا واقعہ سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک بار وہ جاگ نہ سکے اور صبح کی نماز ان کی قضا ہو گئی۔ اس پر وہ تمام دن روتے رہے۔ اگلی رات اُنہوں نے کشف میں دیکھا کہ کوئی شخص انہیں جگا رہا ہے۔ کہ اُٹھو نماز پڑھو۔ اُنہوں نے اس سے پُوچھا۔ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ آپ نے کہا کہ ابلیس کا نماز کے لئے جگانا سے کیا تعلق اس نے کہا۔ کہ کل مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے لئے اب تک پچھتا رہا ہوں۔ کل تمہاری نماز جاتی رہی اور تم سارا دن روتے رہے اس پر خدا تعالےٰ نے کہا۔ اس کے صدمہ کو دُور کرنے کے لئے اسے سو نماز کا ثواب دے دیا جائے۔ میری غرض تو ثواب سے محروم رکھنا تھی۔ مگر تمہیں سوگنا زیادہ مل گیا۔ اس لئے میں آج جگا رہا ہوں تاکہ ایسا نہ ہو کہ آج بھی سو رہو اور پھر سوگنا ثواب حاصل کر لو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فقاہت

فرمایا اسلامی مسائل کی بنیاد تفقہ پر ہے۔ ان کے اندر باریک حکمتیں ہوتی ہیں۔ اور جب تک ان کو نہ سمجھا جاوے۔ انسان دھوکہ کھا کر بعض دفعہ گمراہی کی طرف نکل جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ کسی مجلس میں بیان فرمایا۔ کہ انسان اگر تقویٰ سے کام لے تو چاہے سو شادیاں کر لے۔ یہ بات سلسلہ کے اخباروں میں سے ایک میں شائع ہوئی۔ جس پر یہ چرچا شروع ہو گیا۔ کہ معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذہب یہی ہے کہ **چار کی حد نہیں**۔ شادیاں کوئی جتنی چاہے کر لے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے اس بحث اور جھگڑے کو جو باہر ہوتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچایا۔ اور پوچھا۔ اس سے آپ کا کیا مطلب تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میرا یہ مطلب تھا۔ کہ اگر ایک بیوی مر جائے یا کسی وجہ سے طلاق دی جائے۔ تو انسان اس کی بجائے اور شادی کر سکتا ہے اس طرح خواہ سو شادیاں کر لے۔ اس سے آپ نے اس خیال کی تردید فرمائی۔ جو بعض مذاہب نے پیش کیا ہے۔ کہ عمر بھر دوسری شادی نہ کرنی چاہیئے۔ مجھے یاد ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کا اعتقاد ایک عرصہ تک یہی تھا کہ چار سے زیادہ شادیاں جائز نہیں۔ اِن دنوں میں چونکہ چھوٹی سی جماعت تھی۔ اور دوست اکثر باہم ملتے تھے۔ ایسے مسائل پر بڑی لمبی بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔ انہیں دنوں ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے فرمایا چار بیویوں کی حد بندی شریعت سے ثابت نہیں۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت بھی پیش کی۔ جس میں لکھا تھا کہ حضرت امام حسن رضؓ کے اٹھارہ یا انیس نکاح ہوئے۔ اسی مجلس میں کسی نے یہ بیان کیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عقیدہ نہیں۔ اس پر حضرت خلیفہ اول رضؓ نے یہ خیال کیا۔ ممکن ہے۔ آپ کے پاس یہ معاملہ پوری طرح پیش نہ کیا گیا ہو۔ اس لئے کسی سے کہا۔ کہ یہ کتاب لے جاؤ۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حوالہ دکھا آؤ۔ کتاب لانے والا راستہ میں مجھے بھی ملا۔ وہ بغل میں کتاب دبائے بڑے شوق سے جا رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا بات ہے۔ اس نے بتایا۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ حوالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھانے کے لئے بھیجا ہے۔ میں بھی جواب کے شوق میں واپسی کا منتظر رہا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ میں نے دیکھا۔ جاتے وقت تو بہت خوش خوش گیا تھا۔ مگر واپس آتے وقت سر جھکائے آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ کیا بات ہے تو اس نے بتایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مولوی صاحب سے جا کر پُوچھو کہ کہاں لکھا ہے کہ یہ **ساری بیویاں ایک ہی وقت میں تھیں**۔ (۳۰ر جنوری ۱۹۳۱ء مندرجہ ۵ر فروری ۱۹۳۱ء)

سفر اور بیماری میں روزہ

فرمایا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ غالباً مرزا یعقوب بیگ صاحب جو آجکل غیر مبائع ہیں۔ اور ان کے لیڈروں میں سے ہیں۔ ایک دفعہ باہر سے آئے۔ عصر کا وقت تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زور دیا۔ کہ روزہ کھول دیں اور فرمایا **سفر میں روزہ جائز نہیں**۔ اسی طرح ایک دفعہ بیماریوں کا ذکر ہوا۔ تو فرمایا۔ ہمارا یہی مذہب ہے۔ کہ رخصتوں سے **فائدہ اُٹھانا چاہیئے**۔ دین سختی نہیں بلکہ آسانی سکھاتا ہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ بیمار اور مسافر اگر روزہ رکھ سکے تو رکھ لے۔ ہم اس کو درست نہیں سمجھتے۔ اس سلسلہ میں خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے محی الدین ابن عربی رحمہ کا قول بیان کیا کہ سفر اور بیماری میں روزہ رکھنا آپ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک ایسی حالت میں رکھا ہوا روزہ دوبارہ رکھنا چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سُنکر فرمایا۔ **ہاں ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے**۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں ایک شخص آیا اور آپ کو آتے ہی گالیاں دینے لگ گیا۔ اور جب خوب گالیاں دے چکا۔ اور بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا۔ تسلّی ہو گئی یا کچھ اور بھی باقی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے تھے۔ وہاں رستہ میں ایک شخص نے آپ کو دھکا دیدیا تھا۔ لوگ اس کو مارنے لگے۔ مگر آپ نے فرمایا۔ نہیں اسے کچھ نہ کہو۔ اس نے تو اپنے اخلاص سے ہی دھکا دیا ہے۔ وہ دراصل مدّعی نبوّت تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے سمجھا ہے کہ ہم ظالم ہیں اور اس کا حق مار رہے ہیں۔ اس لئے اس نے دھکّا دیدیا۔ پیغمبر اسنگھ جو یہاں آیا کرتے تھے۔ ان کا وہ بھائی تھا وہ سُنایا کرتے تھے۔ کہ میرا بھائی بعد میں ساری عمر شرمندہ رہا۔ اور کہتا تھا۔ مجھ سے سخت غلطی ہوئی۔ کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو دھکّا دیا

نوٹ از عرفانی۔ میں نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ **شمائل و اخلاق** میں لکھدیا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے میں اس واقعہ کو دیکھنے والا ہوں۔ (عرفانی)

حضرت مسیح موعود اور تبلیغ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی تبلیغ سلسلہ کے لئے عجیب عجیب خیال آتے تھے۔ اور وہ رات دن اسی فکر میں رہتے تھے۔ کہ یہ پیغام دنیا کے ہر کونہ میں پہنچ جاوے۔ ایک مرتبہ آپ نے تجویز کی۔ کہ ہماری جماعت کا لباس ہی الگ ہو۔ تاکہ ہر شخص بجائے خود ایک تبلیغ ہو سکے۔ اور دوستوں کو ایک دوسرے کی ناواقفی میں شناخت آسان ہو۔ اس پر مختلف تجویزیں ہوتی رہیں۔

حضرت مسیح موعود اور ایک سکھ طالب علم

فرمایا۔ ایک دفعہ ایک سکھ طالب علم نے جو گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ سے اخلاص رکھتا تھا۔ حضرت صاحب کو کہلا بھیجا۔ کہ **پہلے مجھے خدا پر یقین تھا**۔ مگر اب میرے دل میں اس کے متعلق شکوک پڑنے لگ گئے ہیں۔ حضرت صاحب نے اسے کہلا بھیجا۔ کہ جہاں تم کالج میں بیٹھتے ہو۔ اس جگہ کو بدل لو۔ چنانچہ اس نے جگہ بدل لی۔ اور پھر بتایا کہ اب کوئی شک نہیں پیدا ہوتا۔ جب یہ بات حضرت صاحب کو سُنائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس پر اس شخص کا اثر پڑ رہا تھا۔ جو اس کے پاس بیٹھتا تھا۔ اور وہ دہریہ تھا۔ جب جگہ بدل لی۔ تو اس کا اثر پڑنا بند ہو گیا۔ اور شکوک بھی نہ رہے۔ (ملائکۃ اللہ ص۴۶)

فرمایا:۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ہم نے دیکھا ہے۔ آپ کوئی مشورہ دیتے۔ تو بعض اوقات اس سے کسی کو اختلاف ہوتا۔ مگر اس کے یہ معنی نہ تھے۔ کہ آپ غلطی کرتے تھے۔ مگر بعض اوقات ہم نے دیکھا۔ کہ آپ اپنی رائے چھوڑ دیتے اور دوسروں کی قبول کر لیتے۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ ایک مسئلہ کے متعلق آپ نے فرمایا۔ مجھے قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر مولوی محمد احسن صاحب نے کہا۔ ہاں حضور یہی درست ہے۔ اور یہی قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ پہلے فقہا نے ایسا نہیں لکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اچھا میں لوگوں کو ابتلا میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ جس طرح پہلے فقہا نے لکھا ہے۔ اسی طرح سمجھا جاوے۔ گو اب بھی مجھے خیال آتا ہے۔ کہ اگر تحقیقات کریں۔ تو ممکن ہے۔ اس مسئلہ میں بھی پہلے فقہا میں اختلاف نکل آئے۔ (۷ر فروری ۱۹۳۰ء ص۱۲)

دلبر کی محبت میں

عابد کو عبادت میں مزا آتا ہے
قاری کو تلاوت میں مزا آتا ہے
میں بندۂ عشق ہوں مجھے تو صاحب
دلبر کی محبت میں مزا آتا ہے

(امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہٖ)